پہلی مرتبہ
تشکیل جدید اور اضافہ عنوانات کے ساتھ
تفسیر عثمانی
ترجمہ: شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ
تفسیر: شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
اضافہ عنوانات و تشکیل جدید
جناب محمد ولی رازی صاحب
ولد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

وہ کہتے ہیں : کہ اگر آپ سے کوئی دین کا کام ہو جائے تو یہ نہ سوچیں کہ یہ میں نے کیا بلکہ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے مجھ پر کرم کیا اور مجھے توفیق دی کہ میں بھی اللہ کے دین کے لئے کچھ کر سکا۔

تفسیر عثمانی پروجیکٹ کے لئے ہمیں ایک تیز رفتار سکینر کی ضرورت تھی کیونکہ عام اسکینر پر ایک صفحہ اسکین کرنے میں کم ز کم 1 منٹ کا وقت درکار ہوتا ہے اور تفسیر عثمانی میں کم و بیش 1700 صفحات ہیں اس حساب سے پوری تفسیر سکین ہونے کے لئے اندازا 28 گھنٹے 33.33 منٹ چاہئے تھے۔

اسی لئے ہم نے کوشش شروع کردی کہ کہیں سے ہمیں ایک تیز اسکینر مل جائے جس میں ہمارا وقت بچ سکے اسی مناسبت سے ایک اسکینر سامنے آیا جو ایک منٹ میں اچھی کوالٹی کے ساتھ 6 صفحے سکین کرتا ہے یعنی تقریبا 5 گھنٹے میں پوری تفسیر اسکین ہو سکتی ہے۔ اس حساب سے ہم تقریبا 23 گھنٹے کا قت بچا سکتے تھے۔ جسکی وجہ سے جلد ز جلد ہم تفسیر عثمانی کو ویب سائٹ پر لگا سکتے تھے۔ تاکہ دنیا بھر کے مسلمان اس سے استفادہ حاصل کر سکیں۔

اللہ جزائے خیر دے ہماری ویب سائٹ سے محبت رکھنے والے جناب احمد برادران کو جنہوں نے انٹرنیٹ پر دینی مواد خاص کر تفاسیر کی موجودگی کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے ہمارے ساتھ تعاون کیا اور ہمیں یہ اسکینر مہیا کردیا۔ جسکی بدولت اس قت آپ اس اسکا مطالعہ کر رہے ہیں۔

ہم دعا کرتے ہیں اور آپ بھی کریں کہ اللہ رب لعزت انہیں اس نیکی کا اجر دنیا و آخرت میں عطا فرمائے اور ان کے لئے اس نیکی کو صدقہ جاریہ بنادے۔

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ ۵ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۲ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | اٰيَاتُهَا ۱۲۰ رُكُوْعَاتُهَا ۱۶

سورۂ مائدہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی ایک سو بیس ۱۲۰ آیتیں اور سولہ رکوع ہیں
شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۟ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ

اے ایمان والو پورا کرو عہدوں کو ف۱ حلال ہوئے تمہارے لئے چوپائے مویشی ف۲ سوائے انکے جو تم کو آگے سنائے جاوینگے ف۳ مگر حلال

مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ① يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ

نہ جانو شکار کو احرام کی حالت میں ف۴ اللہ حکم کرتا ہے جو چاہے ف۵ اے ایمان والو حلال نہ سمجھو اللہ کی نشانیوں کو

اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَاۤ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ

ف۶ اور نہ ادب والے مہینہ کو ف۷ اور نہ اُس جانور کو جو نیاز کعبہ کی ہو اور نہ جنکے گلے میں پٹا ڈالکر لیجاویں کعبہ کو ف۸ اور نہ آنیوالوں کو حرمت والے گھر کی طرف جو ڈھونڈتے ہیں فضل اپنے

رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ

رب کا اور اُسکی خوشی ف۹ اور جب احرام سے نکلو تو شکار کر لو ف۱۰ اور باعث نہ ہو تم کو اُس قوم کی دشمنی جو کہ تم کو روکتی تھی حرمت والی

الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

مسجد سے اس پر کہ زیادتی کرنے لگو ف۱۱ اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر ف۱۲ اور ڈرتے رہو اللہ سے

اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ②

بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے ف۱۳

(۱) **ایفائے عہد عقود کی تشریح** ایمان شرعی دو چیزوں کا نام ہے صحیح معرفت اور تسلیم و انقیاد۔ یعنی خدا اور رسول کے جملہ ارشادات کو صحیح و صادق سمجھ کر تسلیم و قبول کے لئے اخلاص سے گردن جھکا دینا۔ اس تسلیمی جزء کے لحاظ سے ایمان فی الحقیقۃ تمام قوانین و احکام الٰہیہ کے ماننے اور جملہ حقوق ادا کرنے کا ایک مضبوط عہد و اقرار ہے گویا حق تعالیٰ کی ربوبیۃ کاملہ کا وہ اقرار جو عہد الست کے سلسلہ میں لیا گیا تھا جس کا نمایاں اثر انسان کی فطرت اور سرشت میں آج تک موجود ہے۔ اسی کی تجدید و تشریح ایمان شرعی سے ہوتی ہے پھر ایمان شرعی میں جو کچھ اجمالی عہد و پیمان تھا اُسی کی تفصیل پورے قرآن و سنت میں دکھلائی گئی ہے اس صورت میں دعویٰ ایمان کا مطلب یہ ہوا کہ بندہ تمام احکام الٰہیہ میں خواہ اُن کا تعلق براہِ راست خدا سے ہو یا بندوں سے، جسمانی تربیت سے ہو یا روحانی اصلاح سے، دنیوی مفاد سے ہو یا اُخروی فلاح سے، شخصی زندگی سے ہو یا حیات اجتماعی سے، صلح سے ہو یا جنگ سے، اس کا عہد کرتا ہے کہ ہر نہج سے اپنے مالک کا وفادار رہے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو عہد و پیمان اسلام، جہاد، سمع و طاعت، یا دوسرے عمدہ خصائل اور امور خیر کے متعلق صحابہ سے بشکل بیعت لیتے تھے، وہ اسی عہد ایمانی کی ایک محسوس صورت تھی۔ اور چونکہ ایمان کے ضمن میں بندہ کو حق تعالیٰ کے جلال و جبروت کی صحیح معرفت اور اُس کی شان انصاف و انتقام اور وعدوں کی سچائی کا پورا پورا یقین بھی حاصل ہو چکا ہے، اس کا مقتضا یہ ہے کہ وہ بد عہدی اور غداری کے مہلک عواقب سے ڈر کر اپنے تمام عہدوں کو جو خدا سے یا بندوں سے یا خود اپنے نفس سے کئے ہوں، اس

طرح پورا کرے کہ مالک حقیقی کی وفاداری میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔ اس تقریر کے موافق عقود (عہدوں) کی تفسیر میں جو مختلف چیزیں سلف سے منقول ہیں اُن سب میں تطبیق ہو جاتی ہے اور آیت میں "ایمان والو" کے لفظ سے خطاب فرمانے کا لطف مزید حاصل ہوتا ہے۔

(۲) **حلال جانوروں کی تفصیل** "سورۂ نساء" میں گذر چکا کہ یہود کو ظلم و بد عہدی کی سزا میں بعض حلال و طیب چیزوں سے محروم کر دیا گیا تھا۔ فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبٰت (نساء رکوع ۲۲) جن کی تفصیل "سورۂ انعام" میں ہے جس اُمّۃ مرحومہ کو ایفائے عہد کی ہدایت کے ساتھ اُن چیزوں سے بھی منتفع ہونے کی اجازت دیدی گئی۔ یعنی اُونٹ، گائے، بھیڑ، بکری، اور اسی جنس کے تمام اہلی اور وحشی (پالتو اور جنگلی) چوپائے مثلاً ہرن، نیل گائے، وغیرہ تمہارے لئے ہر حالت میں حلال کیے گئے، بجز اُن حیوانات یا حالات کے جن کے متعلق حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی تمہارے جسمانی یا روحانی یا اخلاقی مصلحت کے لئے ممانعت فرمادی ہے۔

(۳) غالباً اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو اسی رکوع کی تیسری آیت میں بیان کی گئی ہیں یعنی "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ" سے "ذٰلکم فسق" تک۔

(۴) **احرام کی حالت میں شکار کی حُرمت** محرم کو صرف خشکی کے جانور کا شکار جائز نہیں۔ دریائی شکار کی اجازت ہے۔ اور جب حالت احرام کی رعایت اس قدر ہے کہ اُس میں شکار کرنا ممنوع ٹھہرا تو خود حرم شریف کی حرمت کا لحاظ اس سے کہیں زیادہ ہونا چاہئے۔ یعنی حرم کے جانور کا شکار محرم وغیر محرم سب کے لئے حرام ہوگا۔ جیسا کہ لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ کے عموم سے مترشح ہوتا ہے۔

(۵) جس خدا نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا پھر کمال حکمت سے اُن میں باہم فرق مراتب رکھا ہر نوع میں اُس کی استعداد کے موافق جُدا جُدا فطری خواص و قویٰ ودیعت کیے۔ زندگی اور موت کی مختلف صورتیں تجویز کیں بلا شبہ اُسی خدا کو اپنی مخلوقات میں یہ حق حاصل ہے کہ اپنے اختیار کامل، علم محیط، اور حکمت بالغہ کے اقتضا سے جس چیز کو جس کسی کے لئے جن حالات میں چاہے، حلال یا حرام کر دے لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُوْنَ۔

(۶) **شعائر کا احترام** یعنی جو چیزیں حق تعالیٰ کی عظمت و معبودیت کے لئے علامات اور نشانات خاص قرار دی گئی ہیں اُن کی بے حرمتی مت کرو۔ ان میں حرم محترم، بیت اللہ شریف، جمرات، صفا مروہ، ہدی، احرام، مساجد کتب سماویہ وغیرہ تمامی حدود و فرائض اور احکام دینیہ شامل ہیں۔ آگے ان نشانیوں میں سے بعض مخصوص چیزوں کا جو مناسک سے متعلق ہیں، ذکر فرماتے ہیں جیسا کہ اس سے پہلی آیت میں بھی محرم کے بعض احکام ذکر کیے گئے تھے۔

(۷) **محترم مہینے** ادب والے مہینے چار ہیں مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ (توبہ رکوع ۵) ذُوالقعدہ، ذی الحجہ، محرّم، رجب ان کی تعظیم و احترام یہ ہے کہ دوسرے مہینوں سے بڑھ کر ان میں نیکی اور تقویٰ کو لازم پکڑے اور شر و فساد سے بچنے کا اہتمام کیا جائے خصوصاً حجاج کو ستا کر اور دق کر کے حج بیت اللہ سے نہ روکا جائے۔ گو یہ امور سال کے بارہ مہینوں میں واجب العمل ہیں لیکن ان محترم مہینوں میں بالخصوص بہت زیادہ موکد قرار دیے گئے۔ باقی دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں جارحانہ اقدام، تو جمہور کا مذہب یہی ہے بلکہ ابن جریر نے اجماع نقل کیا ہے کہ اس کی ان مہینوں میں ممانعت نہیں رہی اس کا بیان سورۂ توبہ میں آئے گا انشاء اللہ۔

(۸) **بعض دوسرے شعائر** قلائد۔ قلادہ کی جمع ہے۔ جس سے مراد وہ ہار یا پٹا ہے جو ہدی کے جانور کے گلے میں نشان کے طور پر ڈالتے تھے تاکہ ہدی کا جانور سمجھ کر اُس سے تعرض نہ کیا جائے اور دیکھنے والوں کو اسی جیسا عمل کرنے کی ترغیب بھی ہو قرآن کریم نے ان چیزوں کی تعظیم و حرمت کو باقی رکھا۔ اور ہدی یا اُس کی علامات سے تعرض کرنے کو ممنوع قرار دیا۔

(۹) بظاہر یہ شان صرف مسلمانوں کی ہے۔ یعنی جو مخلص مسلمان حج عمرہ کے لئے جائیں اُن کی تعظیم و احترام کرو۔ اور اُن کی راہ میں روڑے مت اٹکاؤ۔ اور جو مشرکین حج بیت اللہ کے لئے آتے تھے، اگر وہ بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہوں کیونکہ وہ بھی اپنے زعم اور عقیدہ کے موافق خدا کے فضل و قرب اور خوشنودی کے طالب ہوتے تھے، تو کہنا پڑے گا کہ یہ حکم اُس وقت سے پہلے کا ہے جبکہ "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا" کی منادی کرائی گئی۔

(۱۰) یعنی حالت احرام میں شکار کی جو ممانعت کی گئی تھی، وہ احرام کھول دینے کے بعد باقی نہیں رہی۔

(۱۱) **دشمنی کے جوش میں زیادتی نہ کرو** پچھلی آیت میں جن شعائر کو حق تعالیٰ نے معظم و محترم قرار دیا تھا ۶ھ ہجری میں مشرکین مکہ نے اُن سب کی اہانت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ ماہ ذیقعدہ میں محض عمرہ ادا کرنے کے لئے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ حدیبیہ کے مقام پر پہنچ کر مشرکین نے مذہبی وظیفہ کی بجا آوری سے روک دیا۔ نہ حالت احرام کا خیال کیا، نہ کعبہ کی حرمت کا نہ محترم مہینہ کا، نہ ہدی و قلائد کا، مسلمان شعائر اللہ کی اس توہین اور مذہبی فرائض سے روک دیے جانے پر ایسی ظالم اور وحشی قوم کے مقابلہ میں جس قدر بھی غیظ و غضب اور بغض و عداوت کا اظہار کرتے وہ حق بجانب تھے اور جوش انتقام سے برافروختہ ہو کر جو کارروائی بھی کر بیٹھتے وہ ممکن تھی۔ لیکن اسلام کی محبت و عداوت دونوں تلی ہیں۔ قرآن کریم نے ایسے جابر و ظالم دشمن کے مقابلہ پر بھی اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کا حکم دیا۔ عموماً آدمی زیادہ محبت یا زیادہ عداوت کے جوش میں حد سے گذر جاتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ سخت سے سخت دشمنی تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو کہ تم زیادتی کر بیٹھو اور عدل و انصاف کو ہاتھ سے چھوڑ دو۔

(۱۲) **تعاون علی البر** اگر کوئی شخص بالفرض جوش انتقام میں زیادتی کر بیٹھے تو اُس کے روکنے کی تدبیر یہ ہے کہ جماعت اسلام اُس کی ظلم و عدوان کی اعانت نہ کرے۔ بلکہ سب مل کر نیکی اور پرہیزگاری کا مظاہرہ کریں۔ اور اشخاص کی زیادتیوں اور بے اعتدالیوں کو روکیں۔

(۱۳) یعنی حق پرستی انصاف پسندی اور تمام عمدہ اخلاق کی جڑ خدا کا خوف ہے۔ اور اگر خدا سے ڈر کر نیکی سے تعاون اور بدی سے ترک تعاون نہ کیا گیا تو عام عذاب کا اندیشہ ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ

حرام ہوا تم پر مُردہ جانور ف۱۴ اور لہو ف۱۵ اور گوشت سور کا اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا اور جو مر گیا ہو گلا گھونٹنے سے یا چوٹ سے

وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا

یا اونچے سے گر کر یا سینگ مارنے سے اور جس کو کھایا ہو درندہ نے مگر جس کو تم نے ذبح کر لیا اور حرام ہے جو ذبح ہوا کسی تھان پر ف۱۶ اور یہ کہ تقسیم کرو جوئے

بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ

کے تیروں سے ف۱۷ یہ گناہ کا کام ہے آج ناامید ہو گئے کافر تمہارے دین سے سو اُن سے مت ڈرو اور

وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ

مجھ سے ڈرو ف۱۸ آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا ف۱۹ اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا ف۲۰ اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین ف۲۱

فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

پھر جو کوئی لاچار ہو جاوے بھوک میں لیکن گناہ پر مائل نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۲۲

(۱۴) **حرام جانور** اس آیت سے جن چیزوں کا کھانا حرام ہوا اُن میں اول مَیۡتَۃ (مردار جانور) ہے۔ جو واجب الذبح جانور ذبح کئے بدون خود اپنی موت سے مرجائے اُس کا خون اور حرارت غریزیہ گوشت ہی میں محتقن اور جذب ہو کر رہ جاتی ہے۔ جس کی سمیت اور گندگی سے کئی قسم کے بدنی اور دینی مضار لاحق ہوتے ہیں (ابن کثیر) شاید اسی تعلیل پر متنبہ فرمانے کے لئے میتہ (مردہ جانور) کے بعد دَم (خون) کی حرمت مذکور ہوئی۔ اُس کے بعد حیوانات کی ایک خاص نوع (خنزیر) کی تحریم کا ذکر کیا۔ جس کی بے انتہا نجاست خوری اور بے حیائی مشہور عام ہے۔ شاید اسی لئے شریعت حقہ نے دَم (خون) کی طرح اس کو نجس العین قرار دیا۔ ان تین چیزوں کے ذکر کے بعد جن کی ذوات میں مادّی گندگی اور خباثت پائی جاتی تھی، محرمات کی ایک اور قسم کا ذکر فرمایا یعنی وہ جانور جو اپنی ذات کے اعتبار سے حلال وطیب ہے مگر مالک حقیقی کے سوا کسی اور کی نیاز کے طور پر نامزد کر دیا گیا ہو اُس کا کھانا بھی نیت کی خباثت اور عقیدہ کی گندگی کی بنا پر حرام ہے۔ کسی جاندار کی جان صرف اُسی مالک و خالق کے حکم اور نام پر لے جاسکتی ہے جس کے حکم اور ارادہ سے اُس پر موت و حیات طاری ہوتی ہے۔ باقی "مُنخَنِقَہ" وغیرہ غیر مذبوح جانور سب مَیۡتَہ کے حکم میں داخل ہیں جیسا کہ "مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ"، "مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ" کے ساتھ ملحق ہے۔ جاہلیت میں ان سب چیزوں کے کھانے کی عادت تھی اسی لئے اس قدر تفصیل سے ان کا بیان فرمایا۔

(۱۵) یعنی بہتا ہوا خون اَوۡ دَمًا مَّسۡفُوۡحًا (انعام رکوع ۱۸)

(۱۶) تھوڑا سا پہلے ہدی کے ادب و احترام کا ذکر فرمایا تھا۔ یعنی وہ جانور جو تقرب الی اللہ کی غرض سے خدائے واحد کی سب سے پہلی عبادت گاہ کی نیاز کے طور پر ذبح کیا جاتا ہے اس کے بالمقابل اُس جانور کا بیان فرمایا جسے خدا کے سوا کسی دوسرے کے نام پر یا خانہ خدا کے سوا کسی دوسرے مکان کی تعظیم کے لئے ذبح کیا جائے (موضح القرآن) اس دوسری صورت میں بھی فی الحقیقۃ نیت نذر غیر اللہ ہی کی ہوتی ہے گو ذبح کے وقت زبان سے "بسم اللہ اللہ اکبر" کہا جائے۔ اس تقریر کے موافق مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" اور "مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ" کا فرق واضح ہو گیا (ابن کثیر)۔

(۱۷) **جوئے کے تیر** بعض مفسرین نے ازلام سے تقسیم کے تیر مراد لئے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں لحم ذبیحہ وغیرہ کے بانٹنے میں استعمال ہوتے تھے اور وہ ایک صورت قمار (جوئے) کی تھی جیسے آج کل چٹھی ڈالنے کی رسم ہے لیکن حافظ عماد الدین ابن کثیر وغیرہ محققین کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ازلام سے مراد وہ تیر ہیں جن سے مشرکین مکہ کسی اشکال اور تردد کے وقت اپنے ارادوں اور کاموں کا فیصلہ کرتے تھے یہ تیر خانہ کعبہ میں قریش کے سب سے بڑے بت "ہُبَل" کے پاس رکھے تھے۔ ان میں سے کسی پر امرنی ربی" لکھا تھا (میرے پروردگار نے حکم دیا) کسی پر نہانی ربی" تحریر تھا (میرے رب نے مجھ کو منع کر دیا) اسی طرح ہر تیر پر یوں ہی اٹکل پچو باتیں لکھ چھوڑی تھیں۔ جب کسی کام میں تذبذب ہوا تو تیر نکال کر دیکھ لئے۔ اگر "امرنی ربی" والا تیر نکل آیا تو کام شروع کر دیا اور اس کے خلاف نکلا تو رک گئے وعلیٰ ہذا القیاس۔ گویا بتوں سے یہ ایک قسم کا مشورہ اور استعانت تھی۔ چونکہ اس رسم کا مبنیٰ خالص جہل، شرک، اوہام پرستی اور افتراء علی اللہ پر تھا اس لئے قرآن کریم نے متعدد مواقع میں نہایت تغلیظ و تشدید کے ساتھ اس کی حرمت کو ظاہر فرمایا ہے اس تقریر کے موافق "ازلام" کا ذکر "نصب" کی مناسبت سے ہوا اور مردار، خون، خنزیر وغیرہ نہایت ہی خبیث اور گندی چیزوں کی تحریم کے سلسلہ میں منسلک کر کے بتلا دیا کہ اس کی معنوی اور اعتقادی نجاست و خباثت اُن چیزوں سے کم نہیں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں "رجس" کے اطلاق سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۱۸) **اسلام کے غلبہ سے کفار کو مایوسی** یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی جبکہ زندگی کے ہر شعبہ اور علوم ہدایت کے ہر باب کے متعلق اصول و قواعد ایسی طرح ممہد ہو چکے تھے اور فروع و جزئیات کا بیان بھی اتنی کافی تفصیل اور جامعیت سے کیا جا چکا تھا کہ پیروان اسلام کے لئے قیامت تک قانون الٰہی کے سوا کوئی دوسرا قانون قابل التفات نہیں رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے ہزاروں سے متجاوز خدا پرست

جانباز اور سرفروش ہادیوں اور معلموں کی ایسی عظیم الشان جماعت تیار ہو چکی تھی۔ جس کو قرآنی تعلیم کا مجسم نمونہ کہا جا سکتا تھا، مکہ معظمہ فتح ہو چکا تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم کامل وفاداری کے ساتھ خدا سے عہد و پیمان پورے کر رہے تھے، نہایت گندی غذائیں اور مردار کھانے والی قوم مادی اور روحانی طیبات کے ذائقہ سے لذت اندوز ہو رہی تھی، شعائر الٰہیہ کا ادب و احترام قلوب میں راسخ ہو چکا تھا، ظنون و اوہام اور انصاب و ازلام کا تار و پود بکھر چکا تھا، شیطان جزیرۃ العرب کی طرف سے ہمیشہ کے لئے مایوس کر دیا گیا تھا کہ دوبارہ وہاں اس کی پرستش ہو سکے، ان حالات میں ارشاد ہوا الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوھم واخشون۔ یعنی آج کفار اس بات سے مایوس ہو گئے ہیں کہ تم کو تمہارے دین قیم سے ہٹا کر پھر "انصاب" و "ازلام" وغیرہ کی طرف لیجائیں یا دین اسلام کو مغلوب کر لینے کی توقعات باندھیں، یا احکام دینیہ میں کسی تحریف و تبدیل کی امید قائم کر سکیں آج تم کو کامل و مکمل مذہب مل چکا جس میں کسی ترمیم کا آئندہ امکان نہیں۔ خدا کا انعام تم پر پورا ہو چکا جس کے بعد تمہاری جانب سے اس کے ضائع کر دینے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ خدا نے ابدی طور پر اسی دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کر لیا اس لئے اب کسی ناسخ کے آنے کا بھی احتمال نہیں ایسے حالات میں تم کو کفار سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ البتہ اس محسن جلیل اور منعم حقیقی کی ناراضی سے ہمیشہ ڈرتے رہو جس کے ہاتھ میں تمہاری ساری نجاح و فلاح اور کل سود و زیاں ہے۔ گویا "فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ" میں اس پر متنبہ فرما دیا کہ آئندہ مسلم قوم کو کفار سے اس وقت تک کوئی اندیشہ نہیں جب تک ان میں خشیۃ الٰہی اور تقویٰ کی شان موجود رہے۔

(۱۹) **دین اسلام کی تکمیل اور حقانیت** یعنی اس کے اخبار و قصص میں پوری سچائی، بیان میں پوری تاثیر، اور قوانین و احکام میں پورا توسط و اعتدال موجود ہے۔ جو حقائق کتب سابقہ اور دوسرے ادیان سماویہ میں محدود و ناتمام تھیں ان کی تکمیل و تعمیم اس دین قیم سے کر دی گئی قرآن و سنت نے "حلت" و "حرمت" وغیرہ کے متعلق تنصیصاً یا تعلیلاً جو احکام دیے ان کا اظہار و ایضاح تو ہمیشہ ہوتا رہے گا لیکن اضافہ یا ترمیم کی مطلق گنجائش نہیں چھوڑی۔

(۲۰) سب سے بڑا احسان تو یہی ہے کہ اسلام جیسا مکمل اور ابدی قانون اور خاتم الانبیاء جیسا نبی تم کو مرحمت فرمایا مزید براں اطاعت و استقامت کی توفیق بخشی۔ روحانی غذاؤں اور دنیوی نعمتوں کا دسترخوان تمہارے لئے بچھا دیا، حفاظت قرآن، غلبہ اسلام اور اصلاح عالم کے سامان مہیا فرما دیے۔

(۲۱) یعنی اس عالمگیر اور مکمل دین کے بعد اب کسی اور دین کا انتظار کرنا سفاہت ہے "اسلام" جو تفویض و تسلیم کا مرادف ہے۔ اس کے سوا مقبولیت اور نجات کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں (تنبیہ) اس آیت "الیوم اکملت لکم دینکم" الخ کا نازل فرمانا بھی منجملہ نعمائے عظیمہ کے ایک نعمت ہے۔ اسی لئے بعض یہود نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ امیر المومنین! اگر یہ آیت ہم پر نازل کی جاتی تو ہم اس کے یوم نزول کو عید منایا کرتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ مجھے معلوم نہیں کہ جس روز یہ ہم پر نازل کی گئی مسلمانوں کی دو عیدیں جمع ہو گئی تھیں۔ یہ آیت ۱۰ھ ہجری میں "حجۃ الوداع" کے موقع پر "عرفہ" کے روز "جمعہ" کے دن "عصر" کے وقت نازل ہوئی جبکہ میدان عرفات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے گرد چالیس ہزار سے زائد اتقیاء و ابرار رضی اللہ عنہم کا مجمع کثیر تھا۔ اس کے بعد صرف اکیاسی روز حضور اس دنیا میں جلوہ افروز رہے۔

(۲۲) **مضطر کے احکام** یعنی حلال و حرام کا قانون تو مکمل ہو چکا، اس میں اب کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ البتہ مضطر جو بھوک پیاس کی شدت سے بیتاب اور لاچار ہو وہ اگر حرام چیز کھا پی کر جان بچالے بشرطیکہ مقدار ضرورت سے تجاوز نہ کرے اور لذت مقصود نہ ہو (غیر باغ ولا عاد)، تو حق تعالیٰ اس تناول محرم کو اپنی بخشش اور مہربانی سے معاف فرما دیگا۔ گو وہ چیز تو حرام ہی رہی مگر اسے کھا پی کر جان بچانے والا

خدا کے نزدیک مجرم نہ رہا۔ یہ بھی اتمام نعمت کا ایک شعبہ ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز اُن کے لئے حلال ہے کہدے تم کو حلال ہیں ستھری چیزیں ف۲۳ اور جو سدھاؤ شکاری جانور شکار پر دوڑانے کو

تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ

کہ اُن کو سکھاتے ہو اُس میں سے جو اللہ نے تم کو سکھایا ہے سو کھاؤ اُس میں سے جو پکڑ رکھیں تمہارے واسطے اور اللہ کا نام لو اُس پر ف۲۴ اور ڈرتے رہو اللہ سے

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ

بیشک اللہ جلد لینے والا ہے حساب ف۲۵ آج حلال ہوئیں تم کو سب ستھری چیزیں ف۲۶ اور اہل کتاب کا کھانا تم کو حلال

لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

ہے ف۲۷ اور تمہارا کھانا اُن کو حلال ہے ف۲۸ اور حلال ہیں تم کو پاکدامن عورتیں مسلمان ف۲۹ اور پاکدامن عورتیں اُن میں سے جن کو دی گئی

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ

کتاب ف۳۰ تم سے پہلے جب دو اُن کو مہر اُن کے قید میں لانے کو ف۳۱ نہ مستی نکالنے کو اور نہ چھپی آشنائی

اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ⑤

کرنے کو ف۳۲ اور جو منکر ہوا ایمان سے تو ضائع ہوئی محنت اُس کی اور آخرت میں وہ ٹوٹے والوں میں ہے ف۳۳

(۲۳) **حلال چیزوں کا سوال اور اُسکا جواب** پچھلی آیات میں بہت سی حرام چیزوں کی فہرست دی گئی تو قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حلال چیزیں کیا کیا ہیں؟ اس کا جواب دے دیا کہ حلال کا دائرہ تو بہت وسیع ہے۔ چند چیزوں کو چھوڑ کر جن میں کوئی دینی یا بدنی نقصان تھا دنیا کی تمام ستھری اور پاکیزہ چیزیں حلال ہی ہیں۔ اور چونکہ شکاری جانور سے شکار کرنے کے متعلق بعض لوگوں نے خصوصیت سے سوال کیا تھا اس لئے آیت کے اگلے حصہ میں اُس کو تفصیلاً بتلا دیا گیا۔

(۲۴) **شکار کے احکام** شکاری کتے یا باز وغیرہ سے شکار کیا ہوا جانور ان شروط سے حلال ہے (۱) شکاری جانور سدھا ہوا ہو (۲) شکار پر چھوڑا جائے (۳) اُسے اُس طریقہ سے تعلیم دی گئی ہو جس کو شریعت نے معتبر رکھا ہے یعنی کتے کو سکھلایا جائے کہ شکار کو پکڑ کر کھائے نہیں اور باز کو یہ تعلیم دیجائے کہ جب اُس کو بلاؤ گو شکار کے پیچھے جا رہا ہو فوراً چلا آئے اگر کتا شکار کو خود کھانے لگے یا باز بلانے سے نہ آئے تو سمجھا جائیگا کہ جب اُس کے کہنے میں نہیں تو شکار بھی اُس کے لئے نہیں پکڑا بلکہ اپنے لئے پکڑا ہے۔ اسی کو حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "جب اُس نے آدمی کی خو سیکھی تو گویا آدمی نے ذبح کیا"۔ (۴) چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لو یعنی بسم اللہ کہہ کر چھوڑو۔ ان چار شرطوں کی تصریح تو نص قرآنی میں ہو گئی۔ پانچویں شرط جو امام ابو حنیفہ کے نزدیک معتبر ہے کہ شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کر دے کہ خون بہنے لگے، اُس کی طرف لفظ "جوارح" اپنے مادہ "جرح" کے اعتبار سے مشعر ہے۔ ان میں سے اگر ایک شرط بھی مفقود ہوئی تو شکاری جانور کا مارا ہوا شکار حرام ہے۔ ہاں اگر مرا نہ ہو اور ذبح کر لیا جائے تو وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ کے قاعدہ سے حلال ہوگا۔

(۲۵) یعنی ہر حالت میں خدا سے ڈرتے رہو، کہیں "طیبات" کے استعمال اور شکار وغیرہ سے منتفع ہونے میں حدود و قیود شرعیہ سے تجاوز نہ ہو جائے۔ عموماً آدمی دنیوی لذتوں میں منہمک ہو کر اور شکار وغیرہ مشاغل میں پڑ کر خدا اور آخرت سے غافل ہو جاتا ہے، اس لئے تنبیہ کی ضرورت

تھی کہ خدا کو مت بھولو اور یاد رکھو کہ حساب کا دن کچھ دور نہیں۔ خدا کے انعامات اور تمہاری شکر گذاری کا موازنہ اور عمر عزیز کے ایک ایک لمحہ کا حساب ہونے والا ہے۔

(۲۶) یعنی جیسے آج دین کامل تم کو دیا گیا، دنیا کی تمام پاکیزہ نعمتیں بھی تمہارے لئے دائمی طور پر حلال کر دی گئیں جو کبھی منسوخ نہ ہونگی۔

(۲۷) **اہل کتاب کا کھانا حلال ہے** یہاں طعام (کھانے) سے مراد "ذبیحہ" ہے یعنی کوئی یہودی یا نصرانی (بشرطیکہ اسلام سے مرتد ہو کر یہودی یا نصرانی نہ بنا ہو) اگر حلال جانور ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام نہ لے تو اُس کا کھانا مسلمان کو حلال ہے مرتد کے احکام جداگانہ ہیں

(۲۸) اس مقام پر اس کا ذکر بطور مجازات و مکافات کے استطراداً فرما دیا۔ یعنی بعض احادیث میں جو آیا ہے "لَا یَاکُلْ طَعَامَکَ اِلَّا تَقِیٌّ" (تیرا کھانا نہ کھائے مگر پرہیزگار) اُس کا مطلب یہ نہیں کہ غیر پرہیزگاروں کے لئے تمہارا کھانا حرام ہے۔ جب مسلمان کے لئے کافر کتابی کے ذبیحہ کی اجازت ہوگئی تو ایک موحد مسلم کا ذبیحہ اور کھانا دوسروں کے لئے کیوں حرام ہوگا۔

(۲۹) "پاکدامن" کی قید شاید ترغیب کے لئے ہو۔ یعنی ایک مسلمان کو چاہئے کہ نکاح کرتے وقت پہلی نظر عورت کی عفت اور پاکدامنی پر ڈالے یہ مطلب نہیں کہ پاکدامن کے سوا کسی اور سے نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

(۳۰) **اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی حلّت** اہل کتاب کو ایک مخصوص حکم کے ساتھ دوسرا مخصوص حکم بھی بیان فرما دیا۔ یعنی یہ کہ کتابی عورت سے نکاح کرنا شریعت میں جائز ہے۔ مشرکہ سے اجازت نہیں۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ (بقرہ رکوع ۲۷) مگر یہ یاد رہے کہ ہمارے زمانہ کے "نصاریٰ" عموماً برائے نام نصاریٰ ہیں ان میں بکثرت وہ ہیں جو نہ کسی کتاب آسمانی کے قائل ہیں نہ مذہب کے نہ خدا کے، اُن پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اُن کے ذبیحہ اور نساء کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہوگا۔ نیز یہ ملحوظ رہے کہ کسی چیز کے حلال ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اُس میں فی حدذاتہ کوئی وجہ تحریم کی نہیں۔ لیکن اگر خارجی اثرات و حالات ایسے ہوں کہ اُس حلال سے منتفع ہونے میں بہت سے حرام کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے بلکہ کفر میں مبتلا ہونے کا احتمال ہو تو ایسے حلال سے انتفاع کی اجازت نہیں دی جائے گی موجودہ زمانہ میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ کھانا پینا، بے ضرورت اختلاط کرنا، اُن کی عورتوں کے جال میں پھنسنا، یہ چیزیں جو خطرناک نتائج پیدا کرتی ہیں وہ مخفی نہیں۔ لہٰذا بدی اور بددینی کے اسباب و ذرائع سے اجتناب ہی کرنا چاہئے۔

(۳۱) یعنی قید نکاح میں لانے کو۔ گویا اس طرف اشارہ ہوگیا کہ نکاح بظاہر قید ہے لیکن یہ قید اُن آزادیوں اور ہوس رانیوں سے بہتر ہے جن کی طلب میں انسان نما بہائم سلسلہ ازدواج ہی کو معدوم کر دینا چاہتے ہیں۔

(۳۲) جس طرح پہلے عورت کی پاکدامنی کا ذکر کیا تھا، یہاں مرد کو پاکباز اور عفیف رہنے کی ہدایت فرما دی اَلطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبَاتِ (نور رکوع ۳) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی نظر میں نکاح کی غرض گوہر عصمت کو محفوظ اور مقصد تزویج کو پورا کرنا ہے۔ شہوت رانی اور ہوا پرستی مقصود نہیں۔

(۳۳) جن کتابی عورتوں سے نکاح کی اجازت ہوئی، اُس کا فائدہ یہ ہونا چاہئے کہ مومن قانت کی حقانیت عورت کے دل میں گھر کر جائے نہ یہ کہ کتابیات پر مفتوں ہو کر اُلٹا اپنی متاع ایمانی ہی کو گنوا بیٹھے اور "خسر الدنیا والآخرۃ" کا مصداق ہو کر رہ جائے۔ چونکہ کافر عورت سے نکاح کرنے میں اس فتنہ کا قوی احتمال ہو سکتا ہے۔ اس لئے "ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ" کی تہدید نہایت ہی برمحل ہے۔ یہ میرا خیال ہے۔ باقی حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "اہل کتاب کو کفار سے دو حکم میں مخصوص کیا یہ فقط دنیا میں ہے اور آخرت میں ہر کافر خراب ہے اگر عمل نیک بھی کرے تو قبول نہیں"

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا

اے ایمان والو ف۳۴ جب تم اٹھو ف۳۵ نماز کو تو دھو لو اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک اور مل لو

بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى

اپنے سر کو ف۳۶ اور پاؤں ٹخنوں تک ف۳۷ اور اگر تم کو جنابت ہو تو خوب طرح پاک ہو ف۳۸ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر

سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا

میں یا کوئی تم میں آیا ہے جائے ضرور سے یا پاس گئے ہو عورتوں کے پھر نہ پاؤ تم پانی تو قصد کرو مٹی

طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ

پاک کا اور مل لو اپنے منہ اور ہاتھ اُس سے ف۳۹ اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی کرے ف۴۰ لیکن

يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۶

چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے ف۴۱ اور پورا کرے اپنا احسان تم پر تاکہ تم احسان مانو ف۴۲

(۳۴) **نماز کے لئے وضو کا حکم** اُمّتِ محمدیہ پر جو عظیم الشان احسانات کئے گئے، ان کا بیان سن کر ایک شریف اور حق شناس مؤمن کا دل شکر گذاری اور اظہار وفاداری کے جذبات سے لبریز ہو جائیگا اور فطری طور پر اُس کی یہ خواہش ہوگی کہ اُس منعم حقیقی کی بارگاہ رفیع میں دست بستہ حاضر ہو کر جبین نیاز خم کرے اور اپنی غلامانہ منّت پذیری اور انتہائی عبودیت کا عملی ثبوت دے۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ جب ہمارے دربار میں حاضری کا ارادہ کرو یعنی نماز کے لئے اُٹھو تو پاک و صاف ہو کر آؤ۔ جن لذائذ دنیوی اور مرغوبات طبیعی سے متمتع ہونے کی آیت وضو سے پہلی آیت میں اجازت دی گئی (یعنی طیبات اور محصنات) وہ ایک حد تک انسان کو ملکوتی صفات سے دور اور بہیمیت سے نزدیک کرنے والی چیزیں اور کل احداث (موجبات وضوء و غسل) اُن ہی کے استعمال سے لازمی نتیجہ کے طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا مرغوبات نفسانی سے یکسو ہو کر جب ہماری طرف آنے کا قصد کرو تو پہلے بہیمیت کے اثرات اور "اکل و شرب" وغیرہ کے پیدا کئے ہوئے تکدرات سے پاک ہو جاؤ یہ پاکی "وضوء" اور "غسل" سے حاصل ہوتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ وضو کرنے سے مومن کا بدن پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ بلکہ جب وضوء باقاعدہ کیا جائے تو پانی کے قطرات کے ساتھ گناہ بھی جھڑ جاتے ہیں۔

(۳۵) یعنی سو کر اُٹھو یا دنیا کے مشاغل چھوڑ کر نماز کے لئے اُٹھ کھڑے ہو، تو پہلے وضوء کر لو۔ لیکن وضو کرنا ضروری اس وقت ہے جبکہ پیشتر سے باوضوء نہ ہو۔ آیت کے آخر میں ان احکام کی جو غرض و غایت "وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ" سے بیان فرمائی ہے، اُس سے معلوم ہو گیا کہ ہاتھ، مُنہ وغیرہ دھونے کا وجوب اسی لئے ہے کہ حق تعالیٰ تم کو پاک کر کے اپنے دربار میں جگہ دے۔ اگر یہ پاکی پہلے سے حاصل ہے اور کوئی ناقض وضوء پیش نہیں آیا تو پاک کو پاک کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اُس کو ضروری قرار دینے سے "اُمّت" حرج میں پڑتی ہے جس کی نفی "مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ" میں کی گئی۔ ہاں مزید نظافت، نورانیت اور نشاط حاصل کرنے کے لئے اگر تازہ وضوء کر لیا جائے تو مستحب ہوگا۔ شاید اسی لئے "اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ" الآیۃ میں سطح کلام کی ایسی رکھی ہے جس سے ہر مرتبہ نماز کی طرف جانے کے وقت تازہ وضوء کی ترغیب ہوتی ہے۔

(۳۶) یعنی تر ہاتھ سر پر پھیر لو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدۃ العمر میں مقدار ناصیہ سے کم کا مسح ثابت نہیں ہوتا۔ "مقدار ناصیہ" چوتھائی سر کے قریب ہے۔ حنفیہ اس قدر "مسح" کو فرض کہتے ہیں۔ باقی اختلافات اور دلائل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

(۳۷) مترجم محقق نے پاؤں کے بعد لفظ "کو" نہ لکھ کر نہایت لطیف اشارہ فرمادیا کہ "ارجلکم" کا عطف مغسولات پر ہے یعنی جس طرح منہ، ہاتھ دھونے کا حکم ہے، پاؤں بھی ٹخنوں تک دھونے چاہئیں سر کی طرح مسح کافی نہیں۔ چنانچہ اہل السنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے اور احادیث کثیرہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر پاؤں میں موزے نہ ہوں تو دھونا فرض ہے۔ ہاں "موزوں" پر ان شرائط کے موافق جو کتب فقہ میں مذکور ہیں، مقیم ایک دن رات اور مسافر تین دن تک مسح کرسکتا ہے۔

(۳۸) **جنابت کیلئے غسل** یعنی جنابت سے پاک ہونے میں صرف اعضائے اربعہ کا دھونا اور مسح کرنا کافی نہیں۔ سطح بدن کے جس حصہ تک پانی بدون تضرر کے پہنچ سکتا ہو وہاں تک پہنچانا ضروری ہے۔ اسی لئے حنفیہ غسل میں "مضمضہ" اور "استنشاق" (کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا) کو بھی ضروری کہتے ہیں۔ وضو میں ضروری نہیں، سنت ہے۔

(۳۹) **بعض صورتوں میں تیمم کا حکم** یعنی مرض کی وجہ سے پانی کا استعمال مضر ہو یا سفر میں پانی بقدر کفایت نہ ملے یا مثلاً کوئی قضائے حاجت کرکے آیا اور وضو کی ضرورت ہے یا جنابت کی وجہ سے غسل ناگزیر ہے مگر پانی کے حاصل کرنے یا استعمال کرنے پر کسی وجہ سے قادر نہیں تو ان صورتوں میں وضو یا غسل کی جگہ تیمم کرلے۔ وضو اور غسل دونوں کے تیمم میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ تیمم کی مشروعیت سے جو غرض ہے۔ وہ بہرصورت یکساں طور پر حاصل ہوتی ہے۔ "تیمم" کے اسرار و مسائل اور اس آیت کے فوائد "سورۂ نساء" کے ساتویں رکوع میں مفصل گذر چکے۔ (تنبیہ) مترجم محقق قدس سرہ نے "لمستم النساء" کا جو ترجمہ کیا ہے (پاس گئے ہو عورتوں کے) وہ محاورہ کے اعتبار سے حالت جنابت ہی پر دلالت کرتا ہے۔ یہ ترجمہ ابن عباس اور ابو موسیٰ اشعریؓ کی تفسیر کے موافق ہے جسے ابن مسعود نے بھی سکوتاً تسلیم کیا ہے (کما فی البخاری) نیز مترجم علام نے "فتیمموا" کے ترجمہ میں "قصد کرو" کہہ کر اشارہ فرمادیا کہ اصل لغت کے اعتبار سے "تیمم" کے معنی میں "قصد" معتبر ہے اور اس لغوی معنی کی مناسبت کا خیال رکھتے ہوئے "تیمم شرعی" میں بھی قصد یعنی نیت کو علماء نے ضروری قرار دیا ہے۔

(۴۰) **احکام میں سہولتیں** اسی لئے جو احداث کثیر الوقوع تھے ان میں سارے جسم کا دھونا ضروری نہ رکھا۔ صرف وہ اعضاء (منہ، ہاتھ، پاؤں، سر) جن کو اکثر بلاد متمدنہ کے رہنے والے عموماً کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے ان کا دھونا اور مسح کرنا ضروری بتلایا تاکہ کوئی تنگی اور دقت نہ ہو۔ ہاں "حدث اکبر" یعنی "جنابت" جو احیاناً پیش آتی ہے اور اس حالت میں نفس کو ملکوتی خصال کی طرف ابھارنے کے لئے کسی غیر معمولی تنبیہ کی ضرورت ہے۔ اس کے ازالہ کے لئے تمام بدن کا دھونا فرض کیا۔ پھر "مرض" اور "سفر" وغیرہ حالات میں کسی قدر آسانی فرمادی۔ اول تو پانی کی جگہ "مٹی" کو مطہر بنادیا۔ پھر اعضائے وضو میں سے نصف کی تخفیف اس طرح کردی کہ جہاں پہلے ہی سے تخفیف تھی یعنی سر کا مسح اسے بالکل اڑادیا اور پاؤں کو شاید اس لئے ساقط کردیا کہ وہ عموماً مٹی میں یا مٹی کے قریب رہتے ہیں اور تمام اعضائے بدن کی نسبت سے گرد و غبار میں ان کا تلوث شدید تر ہے۔ لہٰذا ان پر مٹی کا ہاتھ پھیرنا بیکار سا تھا۔ بس دو عضو رہ گئے "منہ" اور "ہاتھ" ان ہی کو ملنے سے وضو اور غسل دونوں کا "تیمم" ہوجاتا ہے۔

(۴۱) کیونکہ وہ خود پاک ہے تو پاکی ہی پسند کرتا ہے۔

(۴۲) **آسانیوں پر اللہ کا شکر** پچھلے رکوع میں جو نعمائے عظیمہ بیان ہوئی تھیں ان کو سن کر بندہ کے دل میں جوش اٹھا کہ اس منعم حقیقی کی بندگی کے لئے فوراً کھڑا ہوجائے۔ اسے بتلادیا کہ ہماری طرف آؤ تو کس طریقہ سے پاک ہو کر آؤ۔ یہ بتلانا خود ایک نعمت ہوئی اور بدن کی سطح ظاہر پر پانی ڈالنے یا مٹی لگانے سے اندرونی پاکی عطا فرمادینا۔ یہ دوسری نعمت ہوئی۔ بندہ ابھی پچھلی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرسکا تھا قصد ہی کررہا تھا کہ یہ جدید انعامات فائض ہوگئے۔ اس لئے ارشاد ہوا لعلکم تشکرون یعنی ان پہلی نعمتوں کو یاد کرنے سے پہلے ان جدید نعمتوں کا جو "احکام وضو" وغیرہ کے ضمن میں مبذول ہوئیں، شکر ادا کرنا چاہئے۔ شاید اسی لعلکم تشکرون سے حضرت بلالؓ نے تحیۃ الوضو کا سراغ

لگایا ہو۔ اس درمیانی نعمت کے شکریہ پر متوجہ کرنے کے بعد اگلی آیت میں ان سابق نعمتوں اور احسانات عظیمہ کو پھر اجمالاً یاد دلاتے ہیں جن کی شکر گزاری کے لئے بندہ اپنے مولا کے حضور میں کھڑا ہونا چاہتا تھا، چنانچہ فرماتے ہیں وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ الخ

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا

اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر اور عہد اس کا جو تم سے ٹھہرایا تھا جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور مانا ۳۳ اور ڈرتے رہو

اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۷﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ

اللہ سے اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات ۳۴ اے ایمان والو کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو

بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

انصاف کی ۳۵ اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو ۳۶ عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے ۳۷ اور ڈرتے رہو اللہ سے

إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۸﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَ

اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو ۳۸ وعدہ کیا اللہ نے ایمان والوں سے اور جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کے واسطے بخشش اور

أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۹﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۱۰﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

بڑا ثواب ہے ۳۹ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلائیں ہماری آیتیں وہ ہیں دوزخ والے ۵۰ اے ایمان

آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ

والو یاد رکھو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب قصد کیا لوگوں نے کہ تم پر ہاتھ چلاویں پھر روک دیے

أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۱﴾

تم سے ان کے ہاتھ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ ہی پر چاہئے بھروسہ ایمان والوں کو ۵۱

ع ۲

(۳۳) **مومنوں کے عہد کی تذکیر** غالباً یہ عہد وہ ہی ہے جو "بقرہ" کے آخر میں مومنین کی زبان سے نقل فرمایا تھا وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ (بقرہ رکوع ۴۰) جب صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرتے تھے، اس وقت بھی یہ اقرار کرتے تھے کہ ہم اپنی استطاعت کے موافق آپ کی ہر بات کو سنیں گے اور مانیں گے خواہ ہمارے منشاء اور طبیعت کے موافق ہو یا خلاف۔ یہ تو عام عہد تھا اس کے بعد بعض ارکان اسلام یا مناسب حال اہم چیزوں کے متعلق خصوصیت سے بھی عہد لیا جاتا تھا۔ گویا اس صورت کے شروع میں جو "أَوْفُوا بِالْعُقُودِ" فرمایا تھا، درمیان میں بہت سے احسانات کا ذکر کر کے جن کو سن کر ایفائے عہد کی مزید ترغیب ہوتی ہے پھر وہ ہی اصلی سبق یاد دلایا گیا۔

(۳۴) ایک شریف اور حیادار آدمی کی گردن اپنے محسن اعظم کے سامنے جھک جانی چاہئے۔ مروت و شرافت اور آئندہ مزید احسانات کی توقع اسی کو مقتضی ہے کہ بندہ اس منعم حقیقی کا بالکل تابع فرمان بن جائے۔ خصوصاً جبکہ زبان سے اطاعت و وفاداری کا پختہ عہد و اقرار بھی کر چکا ہے۔ ممکن ہے حق تعالیٰ کی بے انتہا مہربانیاں دیکھ کر بندہ مغرور ہو جائے، اس کی نعمتوں کی قدر اور اپنے قول و قرار کی کوئی پروا نہ کرے اس لئے فرمایا "وَاتَّقُوا اللّٰهَ"۔ یعنی خدا سے ہمیشہ ڈرتے رہو۔ وہ ایک لمحہ میں تم سے سب نعمتیں چھین سکتا ہے اور ناشکری اور بد عہدی کی سزا میں بہت سخت پکڑ سکتا ہے۔ بہر حال مروت، شرافت، امید اور خوف ہر چیز کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس کی مخلصانہ اطاعت اور وفاداری میں

پوری مستعدی دکھلائیں۔ آگے وہ "علیم بذات الصدور" ہے۔ ہم جو کچھ کریں گے وہ ہمارے اخلاص یا نفاق، ریاکاری یا قلبی نیازمندی کو خوب جانتا ہے۔ فقط زبان سے "سمعنا واطعنا" کہنے یا شکرگذاری کی رسمی اور ظاہری نمائش سے ہم اس کو دھوکہ نہیں دے سکتے

(۴۵) **انصاف کی گواہی کا حکم** اس سے پہلی آیت میں مومنین کو حق تعالیٰ کے احسانات اور اپنا عہد و پیمان یاد کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہاں بتلا دیا کہ صرف زبان سے یاد کرنا نہیں، بلکہ عملی رنگ میں اُن سے اس کا ثبوت مطلوب ہے۔ اس آیت میں اسی پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر تم نے خدا کے بے شمار احسانات اور اپنے عہد و اقرار کو بھلا نہیں دیا تو لازم ہے کہ اُس محسن حقیقی کے حقوق ادا کرنے اور اپنے عہد کو سچا کر دکھانے کے لئے ہر وقت کمربستہ رہو اور جب کوئی حکم اپنے آقائے ولی نعمت کی طرف سے ملے فوراً تعمیل حکم کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ اور خدا کے حقوق کے ساتھ مخلوق کے حقوق ادا کرنے میں بھی پوری جدوجہد اور اہتمام کرو۔ چنانچہ "قوامین للہ" میں "حقوق اللہ کی" اور "شھداء بالقسط" میں "حقوق العباد" کی طرف اشارہ ہے۔ اسی قسم کی ایک آیت "والمحصنات" کے آخر میں گذر چکی ہے صرف اس قدر فرق ہے کہ وہاں "بالقسط" کو "للہ" پر مقدم کر دیا ہے۔ شاید اس لئے کہ وہاں دور سے "حقوق العباد" کا ذکر چلا آرہا تھا اور یہاں پہلے سے "حقوق اللہ" پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے وہاں "بالقسط" کی اور یہاں "للہ" کی تقدیم مناسب ہوئی۔ نیز یہاں لحاق میں مبغوض دشمن سے معاملہ کرنے کا ذکر ہے جس کے ساتھ "قسط" کو یاد دلانے کی ضرورت ہے اور "سورۂ نساء" کے لحاق میں محبوب چیزوں کا ذکر ہے اس لئے وہاں سب سے بڑی محبوب (اللہ) کو یاد دلایا گیا۔

(۴۶) **عدل وانصاف کی تاکید** "عدل" کا مطلب ہے کسی شخص کے ساتھ بدون افراط و تفریط کے وہ معاملہ کرنا جس کا وہ واقعی مستحق ہے عدل وانصاف کی ترازو ایسی صحیح اور برابر ہونی چاہئے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اُس کے دونوں پلوں میں سے کسی پلہ کو جھکا نہ سکے

(۴۷) **عدل وانصاف سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے** جو چیزیں شرعاً مہلک یا کسی درجہ میں مضر ہیں اُن سے بچاؤ کرتے رہنے سے جو ایک خاص نورانی کیفیت آدمی کے دل میں راسخ ہو جاتی ہے اس کا نام "تقویٰ" ہے۔ تحصیل تقویٰ کے اسباب قریبہ و بعیدہ بہت سے ہیں۔ تمام اعمال حسنہ اور خصائل خیر کو اُس کے اسباب و معدات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ "عدل و قسط" یعنی دوست و دشمن کے ساتھ یکساں انصاف کرنا اور حق کے معاملہ میں جذبات محبت و عداوت سے قطعاً مغلوب نہ ہونا، یہ خصلت حصول تقویٰ کے موثر ترین اور قریب ترین اسباب میں سے ہے۔ اسی لئے "ھو اقرب للتقویٰ" فرمایا (یعنی یہ عدل جس کا حکم دیا گیا تقویٰ سے نزدیک تر ہے) کہ اُس کی مزاولت کے بعد تقویٰ کی کیفیت بہت جلد حاصل ہو جاتی ہے۔

(۴۸) یعنی ایسا عدل وانصاف جسے کوئی دوستی یا دشمنی نہ روک سکے اور جس کے اختیار کرنے سے آدمی کو متقی بننا سہل ہو جاتا ہے۔ اس کے حصول کا واحد ذریعہ خدا کا ڈر اور اُس کی شان انتقام کا خوف ہے۔ اور یہ خوف "ان اللہ خبیر بما تعملون" کے مضمون کا بار بار مراقبہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ جب کسی مومن کے دل میں یہ یقین مستحضر ہوگا کہ ہماری کوئی چھپی یا کھلی حرکت حق تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں۔ تو اُس کا قلب خشیۂ الٰہی سے لرزنے لگے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمام معاملات میں عدل وانصاف کا راستہ اختیار کریگا۔ اور احکام الٰہیہ کے امتثال کے لئے غلامانہ تیار رہیگا۔ پھر اس نتیجہ پر ثمرہ ملیگا جسے اگلی آیت میں بیان فرمایا ہے۔ وعد اللہ الذین آمنوا الخ

(۴۹) یعنی نہ صرف یہ کہ اُن کوتاہیوں کو معاف کر دیں گے جو بمقتضائے بشریت رہ جاتی ہیں بلکہ عظیم الشان اجر و ثواب بھی عطا فرمائینگے

(۵۰) یہ پہلے فریق کے بالمقابل اُس جماعت کی سزا ذکر کی گئی جس نے قرآن کریم کی اُن صاف و صریح حقایق کو جھٹلایا یا اُن نشانات کی تکذیب کی جو سچائی کی طرف رہنمائی کرنے کے لئے خدا کی طرف سے دکھلائے جاتے ہیں۔

(۵۱) **مومنوں پر اللہ کا احسان** عمومی احسانات یاد دلانے کے بعد بعض خصوصی احسان یاد دلاتے ہیں یعنی قریش مکہ اور اُن کے ٹھٹوؤں

نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچانے اور اسلام کو مٹانے کے لئے کس قدر ہاتھ پاؤں مارے مگر حق تعالیٰ کے فضل و رحمت نے اُن کا کوئی داؤ چلنے نہ دیا۔ اس احسان عظیم کا اثر یہ ہونا چاہئے کہ مسلمان غلبہ اور قابو حاصل کر لینے کے باوجود اپنے دشمنوں کو ہر قسم کے ظلم اور زیادتی سے محفوظ رکھیں اور جوش انتقام میں عدل و انصاف کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوڑیں جیسا کہ پچھلی آیات میں اُس کی تاکید کی گئی ہے۔ ممکن ہے کسی کو یہ شبہ گذرے کہ ایسے معاند دشمنوں کے حق میں اس قدر رواداری کی تعلیم کہیں اصول سیاست کے خلاف تو نہ ہوگی کیونکہ ایسا نرم برتاؤ دیکھ کر مسلمانوں کے خلاف شریروں اور بدباطنوں کی جرأت بڑھ جانے کا قوی احتمال ہے اس کا ازالہ "واتقوا اللہ وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون" سے فرمادیا یعنی مومن کی سب سے بڑی سیاست "تقویٰ" اور "توکل علی اللہ" (خدا سے ڈرنا اور اسی پر بھروسہ کرنا) ہے۔ خدا سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر و باطن میں اُس سے اپنا معاملہ صاف رکھو اور جو عہد و اقرار کئے ہیں اُن میں پوری وفاداری دکھلاتے رہو۔ پھر بحمد اللہ کسی سے کوئی خطرہ نہیں۔ اگلی آیت میں ہماری عبرت کے لئے ایک ایسی قوم کا ذکر فرمادیا۔ جس نے خدا سے نڈر ہو کر بدعہدی اور غداری کی تھی، وہ کس طرح ذلیل و خوار ہوئی۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ

اور لے چکا ہے اللہ عہد بنی اسرائیل سے ف۵۲ اور مقرر کئے ہم نے اُن میں بارہ سردار ف۵۳ اور کہا اللہ نے

اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ

میں تمہارے ساتھ ہوں ف۵۴ اگر تم قائم رکھوگے نماز اور دیتے رہوگے زکوٰۃ اور یقین لاؤگے میرے رسولوں پر اور مدد کروگے اُن کی ف۵۵ اور

اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

قرض دوگے اللہ کو ف۵۶ اچھی طرح کا قرض ف۵۷ تو البتہ دور کرونگا میں تم سے گناہ تمہارے اور داخل کرونگا تم کو باغوں میں کہ جن کے نیچے بہتی ہیں

الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝۱۲ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ

نہریں ف۵۸ پھر جو کوئی کافر ہوا تم میں سے اس کے بعد تو وہ بیشک گمراہ ہوا سیدھے راستہ سے ف۵۹ سو اُن کے عہد توڑنے پر ہم نے

لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا

اُن پر لعنت کی ف۶۰ اور کر دیا ہم نے اُن کے دلوں کو سخت پھیرتے ہیں کلام کو اُسکے ٹھکانے سے ف۶۱ اور بھول گئے نفع اٹھانا اُس نصیحت

ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ

سے جو اُنکو کی گئی تھی ف۶۲ اور ہمیشہ تو مطلع ہوتا رہتا ہے اُن کی کسی دغا پر ف۶۳ مگر تھوڑے لوگ اُن میں سے ف۶۴ سو معاف کر اور درگذر کر اُن

اصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۳

سے اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنیوالوں کو ف۶۵

(۵۲) یعنی کچھ اُمتِ محمدیہ ہی کی خصوصیت نہیں پہلی اُمتوں سے بھی عہد لئے جا چکے ہیں۔

(۵۳) بنی اسرائیل کے بارہ سردار: بنی اسرائیل کے بارہ قبائل میں سے بارہ سردار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چُن لئے تھے جن کے نام بھی مفسرین نے تورات سے نقل کئے ہیں، اُن کا فرض یہ تھا کہ وہ اپنی قوم پر عہد پورا کرنے کی تاکید اور اُن کے احوال کی نگرانی رکھیں۔ عجب اتفاق یہ ہے کہ

ہجرت سے پہلے جب "انصار" نے "لیلۃ العقبہ" میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تو اُن میں سے بھی بارہ ہی "نقیب" نامزد ہوئے ان ہی بارہ آدمیوں نے اپنی قوم کی طرف سے حضور کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ جابر بن سمرۃ کی ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اُمّت کے متعلق جو بارہ خلفاء کی پیشین گوئی فرمائی اُن کا عدد بھی "نقبائے بنی اسرائیل" کے عدد کے موافق ہے اور مفسرین نے تورات سے نقل کیا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ "میں تیری ذریت میں سے بارہ سردار پیدا کرونگا" غالباً یہ وہی "بارہ" ہیں جن کا ذکر جابر بن سمرۃ کی حدیث میں ہے۔

(۵۴) یا تو یہ خطاب بارہ سرداروں کو ہے یعنی تم اپنا فرض ادا کرو، میری حمایت اور امداد تمہارے ساتھ ہے۔ یا سب بنی اسرائیل کو، کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یعنی کسی وقت تم مجھے اپنے سے دور مت سمجھو جو کچھ معاملہ تم سراً یا علانیۃً کروگے وہ ہر جگہ اور ہر وقت میں دیکھ رہا اور سُن رہا ہوں۔ اس لئے جو کچھ کرو خبردار ہو کر کرو۔

(۵۵) **بنی اسرائیل سے اللہ کا عہد** یعنی جو رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آتے رہیں گے اُن سب کی تصدیق کروگے اور دل سے تعظیم سے پیش آؤگے اور دشمنان حق کے مقابلہ پر اُن کا پورا ساتھ دوگے جان سے بھی اور مال سے بھی۔

(۵۶) خدا کو قرض دینے سے مراد اس کے دین اور اس کے پیغمبروں کی حمایت میں مال خرچ کرنا ہے جس طرح روپیہ قرض دینے والا اس اُمید پر دیتا ہے کہ اس کا روپیہ ملجائیگا اور قرض لینے والا اس کے ادا کرنے کو اپنے ذمہ پر لازم کر لیتا ہے۔ اسی طرح خدا ہی کی دی ہوئی جو چیز یہاں اُسی کے راستہ میں خرچ کی جائے گی۔ وہ ہرگز گم یا کم نہیں ہوگی۔ حق تعالیٰ نے کسی مجبوری سے نہیں محض اپنے فضل و رحمت سے اپنے ذمہ لازم کر لیا ہے کہ وہ چیز تم کو عظیم الشان نفع کی صورت میں واپس کر دے۔

(۵۷) "اچھی طرح" سے مراد یہ ہے کہ اخلاص سے دو اور اپنے محبوب و مرغوب اور پاک وصاف مال میں سے دو۔

(۵۸) یعنی نیکیاں جب کثرت سے ہوں تو وہ برائیوں کو دبا لیتی ہیں۔ جب آدمی خدا کے عہد کو پورا کرنے کی کوشش میں لگا رہے تو حق تعالیٰ اُسکی کمزوریوں کو دور کر کے اپنی خوشنودی اور قرب کے مکان میں جگہ دیتا ہے۔

(۵۹) یعنی ایسے صاف اور پختہ عہد و پیمان کے بعد بھی جو شخص خدا کا وفادار ثابت نہ ہوا اور غدر و خیانت پر کربستہ ہو گیا تو سمجھ لو کہ اُس نے کامیابی اور نجات کا سیدھا راستہ گم کر دیا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ہلاکت کے کس گڑھے میں جا کر گرے گا۔ بنی اسرائیل سے جن باتوں کے عہد لینے کا یہاں ذکر ہے وہ یہ ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، پیغمبروں پر ایمان لانا، اُن کی جان و مال سے مدد کرنا۔ ان میں سے پہلی عبادت بدنی ہے، دوسری مالی، تیسری قلبی مع لسانی۔ چوتھی فی الحقیقت تیسری کی اخلاقی تکمیل ہے۔ گویا ان چیزوں کو ذکر کر کے اشارہ فرما دیا کہ جان و مال اور قلب و قالب ہر چیز سے خدا کی اطاعت اور وفاشعاری کا اظہار کرو۔ لیکن بنی اسرائیل نے چُن چُن کر ایک ایک عہد کی خلاف ورزی کی۔ کسی قول و قرار پر قائم نہ رہے ان عہد شکنیوں کا جو نتیجہ ہوا اُسے اگلی آیت میں بیان فرماتے ہیں۔

(۶۰) **یہودیوں پر نقض عہد کی وجہ سے لعنت** "لعن" کے معنی طرد و ابعاد کے ہیں۔ یعنی عہد شکنی اور غداری کی وجہ سے ہم نے اپنی رحمت سے انہیں دور پھینک دیا۔ اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیا "فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ" کے لفظ سے ظاہر فرما دیا کہ اُن کے ملعون اور سنگدل ہونے کا سبب عہد شکنی اور بیوفائی ہے۔ جو خود اُنہی کا فعل ہے۔ اسباب پر مسبب کا مرتب کرنا چونکہ خدا ہی کا کام تھا اس لحاظ سے جعلنا قلوبھم قاسیۃ کی نسبت اُسی کی طرف کی گئی۔

(۶۱) **یہودیوں کی کلام اللہ میں تحریف** یعنی خدا کے کلام میں تحریف کرتے ہیں کبھی اُس کے الفاظ میں کبھی معنی میں، کبھی تلاوت میں۔ تحریف کی یہ سب اقسام قرآن کریم اور کتب حدیث میں بیان کی گئی ہیں۔ جس کا قدرے اعتراف آج کل بعض یورپین عیسائیوں کو بھی کرنا پڑ رہا ہے۔

(۶۲) **یہودیوں کی محرومی** یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ اُن قیمتی نصیحتوں سے فائدہ اُٹھاتے جو مثلاً نبی آخرالزماں کی امداد اور دوسرے مہمات دینیہ کے متعلق اُن کی کتابوں میں موجود تھیں۔ مگر اپنی غفلتوں اور شرارتوں میں پھنس کر یہ سب بھول گئے بلکہ نصیحتوں کا وہ ضروری حصّہ ہی گم کر دیا اور اب بھی جو نصیحتیں اور مفید باتیں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اُن کو یاد دلائی جاتی ہیں اُن کا کوئی اثر قبول نہیں کرتے۔ حافظ ابن رجب حنبلی نے لکھا ہے کہ "نقض عہد" کے سبب سے ان میں دو باتیں آئیں "ملعونیت" اور "قسوۃ قلب" ان دونوں کا نتیجہ یہ دو چیزیں ہوئیں۔ "تحریف کلام اللہ" اور "عدم انتفاع بالذکر" یعنی لعنت کے اثر سے اُن کا دماغ مسوخ ہو گیا۔ حتیٰ کہ نہایت بیباکی اور بدعقلی سے کتب سماویہ کی تحریف پر آمادہ ہو گئے۔ دوسری طرف جب عہد شکنی کی نحوست سے دل سخت ہو گئے تو قبول حق اور نصیحت سے متاثر ہونے کا مادہ نہ رہا۔ اس طرح علمی اور عملی دونوں قسم کی قوتیں ضائع کر بیٹھے۔

(۶۳) یعنی اُن کی دغا بازی اور خیانت کا سلسلہ آج تک چل رہا ہے۔ اور آیندہ بھی چلتا رہیگا۔ اسی لئے ہمیشہ اُن کی کسی نہ کسی دغا بازی اور مکر و فریب پر آپ مطلع ہوتے رہتے ہیں۔

(۶۴) یعنی عبداللہ بن سلام وغیرہ جو اسلام میں داخل ہو چکے۔

(۶۵) **آنحضرتؐ کو عفو و درگذر کا حکم** یعنی جب اُن کی عادت قدیمہ ہی یہ ہے تو ایسے لوگوں سے ہر جزئی پر اُلجھنے اور اُنکی ہر خیانت کا پردہ فاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کو چھوڑیے اور درگذر کیجئے اور اُن کی بُرائی کا بدلہ عفو و احسان سے دیجئے۔ شاید اسی سے کچھ متاثر ہوں۔ قتادہ وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ الخ سے مگر اس کی کچھ حاجت نہیں۔ قتال کے حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی وقت اور کسی موقع پر بھی ایسی قوم کے مقابلہ میں عفو و درگذر اور تالیف قلب سے کام نہ لیا جا سکے۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ

اور وہ جو کہتے ہیں اپنے کو نصاریٰ ف۶۶ اُنسے بھی لیا تھا ہم نے عہد اُن کا پھر بھول گئے نفع اُٹھانا اُس نصیحت سے جو اُنکو کی گئی تھی ف۶۷ پھر ہم نے لگا دی آپس میں

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝۱۴ يٰٓاَهْلَ

اُنکی دشمنی اور کینہ ف۶۸ قیامت کے دن تک ف۶۹ اور آخر جتا دیگا اُن کو اللہ جو کچھ کرتے تھے ف۷۰ اے کتاب

الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ

والو تحقیق آیا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا ظاہر کرتا ہے تم پر بہت سی چیزیں جن کو تم چھپاتے تھے کتاب میں سے اور درگذر کرتا ہے بہت

كَثِيْرٍ ڛ قَدْ جَاۗءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۵ ۙ

چیزوں سے ف۷۱ بیشک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی

(۶۶) **لفظ نصاریٰ کی تشریح** "نصاریٰ" کا ماخذ یا تو "نصر" ہے جس کے معنی مدد کرنے کے ہیں اور یا "ناصرہ" کی طرف نسبت ہے۔ جو ملک شام میں اُس بستی کا نام ہے جہاں حضرت مسیح علیہ السلام رہے تھے۔ اسی لئے اُن کو "مسیح ناصری" کہتے ہیں۔ جو لوگ اپنے کو "نصاریٰ" کہتے تھے وہ گویا اس بات کے مدعی تھے کہ ہم خدا کے سچے دین اور پیغمبروں کے حامی و ناصر اور حضرت "مسیح ناصری" کے متبع ہیں اس زبانی دعوے اور لقبی تفاخر کے باوجود دین کے معاملہ میں جو رویہ تھا وہ آگے ذکر کیا گیا ہے۔

(۶۷) یعنی یہود کی طرح ان سے بھی عہد لیا گیا۔ لیکن یہ بھی عہد شکنی اور بیوفائی میں اپنے پیشروؤں سے کچھ کم نہیں رہے اُنہوں نے بھی اُن بیش بہا

نصائح سے جن پر نجات و فلاح ابدی کا مدار تھا، کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ بلکہ "بائیبل" میں نصیحتوں کا وہ حصہ باقی ہی نہ چھوڑا جو حقیقۃً مذہب کا مغز تھا

(۶۸) **اہل کتاب کی آپس میں دائمی بغض و عداوت** یعنی باہم "نصاریٰ" میں یا "یہود" اور "نصاریٰ" دونوں میں عداوتیں اور جھگڑے ہمیشہ کے لئے قائم ہو گئے۔ آسمانی سبق کو ضائع کرنے اور بھلا دینے کا جو نتیجہ ہونا چاہیئے تھا وہ ہوا یعنی جب وحی الٰہی کی اصلی روشنی اُن کے پاس نہ رہی تو اوہام و اہواء کی اندھیریوں میں ایک دوسرے سے اُلجھنے لگا۔ مذہب تو نہ رہا پر مذہب کے جھگڑے رہ گئے۔ بیسیوں فرقے پیدا ہو کر اندھیرے میں ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔ یہی فرقہ دارانہ تصادم آخرکار آپس کی شدید ترین عداوت و بغض پر منتہی ہوا۔ کوئی شبہ نہیں کہ آج مسلمانوں میں بھی بیحد تفرق و تشتت اور مذہبی تصادم موجود ہے لیکن چونکہ ہمارے پاس وحی الٰہی اور قانون سماوی بحمد اللہ بلاکم وکاست محفوظ ہے اس لئے اختلافات کی موجودگی میں بھی مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت برابر مرکز حق و صداقت پر قائم رہی ہے اور رہیگی۔ اس کے برخلاف یہود و "نصاریٰ" کے اختلافات یا مثلاً "پروٹسٹنٹ" اور "رومن کیتھولک" وغیرہ فرقوں کی باہمی مخالفت میں کوئی ایک فریق بھی نہ آج شاہراہ حق و صداقت پر قائم ہے اور نہ قیامت تک ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ وحی الٰہی کی روشنی کو جس کے بدون کوئی انسان خدا تعالیٰ اور اُس کے قوانین کی صحیح معرفت حاصل نہیں کر سکتا۔ اپنی بے اعتدالیوں اور غلط کاریوں سے ضائع کر چکے ہیں۔ اب جب تک وہ اس محرف "بائبل" کے دامن سے وابستہ رہیں گے محال ہے کہ قیامت تک ان کو رانہ اور محض بے اصول اختلافات اور فرقہ وار بغض و عناد کی ظلمت سے نکل کر حق کا راستہ دیکھ سکیں اور نجات ابدی کی شاہراہ پر چل سکیں۔ باقی جو لوگ آج نفس مذہب خصوصاً عیسائیت کا مذاق اڑاتے ہیں اور جنہوں نے لفظ "مسیحیت" یا موجودہ "بائیبل" کو محض چند سیاسی ضرورتوں کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ اس آیت میں اُن "نصاریٰ" کا ذکر نہیں۔ اور اگر مان لیا جائے کہ وہ بھی آیت کے تحت میں داخل ہیں تو اُن کی باہمی عداوتیں اور ایک دوسرے کے خلاف خفیہ ریشہ دوانیاں اور علانیہ محاربات بھی باخبر اصحاب پر پوشیدہ نہیں ہیں۔

(۶۹) یعنی جب تک وہ رہیں گے یہ اختلاف اور بغض و عناد بھی ہمیشہ رہیگا۔ یہاں "قیامت تک" کا لفظ ایسا ہے۔ جیسے ہمارے محاورات میں کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شخص تو قیامت تک بھی فلاں حرکت سے باز نہ آئیگا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ شخص قیامت تک زندہ رہے گا اور یہ حرکت کرتا رہے گا مراد یہ ہے کہ اگر قیامت تک بھی زندہ رہے تو اس بات کو نہ چھوڑے گا۔ اسی طرح آیت میں "الیٰ یوم القیامۃ" کا لفظ آنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ "یہود" و "نصاریٰ" کا وجود قیامت تک رہے جیسا کہ ہمارے زمانہ کے بعض مبطلین نے اپنی تفسیر میں لکھ دیا ہے۔

(۷۰) یعنی آخرت میں پوری طرح اور دنیا میں بھی بعض واقعات کے ذریعہ سے اُنکو اپنی کرتوت کا نتیجہ معلوم ہو جائیگا۔

(۷۱) **یہود و نصاریٰ کو اسلام کی دعوت** یہ سب "یہود" و "نصاریٰ" کو خطاب ہے کہ وہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم جن کی آمد کی بشارات تمہاری کتابوں میں اس قدر تحریف ہونے پر بھی کسی نہ کسی عنوان سے موجود ہیں تشریف لے آئے، جن کے مُنہ میں خدا نے اپنا کلام ڈالا ہے اور جنہوں نے اُن حقائق کی تکمیل کی جو حضرت مسیح ناتمام چھوڑ گئے تھے۔ "توراۃ" و "انجیل" کی جن باتوں کو تم چھپاتے تھے اور بدل سدل کر بیان کرتے تھے اُن میں کی سب ضروری باتیں اس نبی آخر الزماں نے ظاہر فرما دیں اور جن باتوں کی اب چنداں ضرورت نہ تھی اُن سے درگزر کیا۔

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ

جس سے اللہ ہدایت کرتا ہے اُس کو جو تابع ہوا اُسکی رضا کا سلامتی کی راہیں اور اُن کو نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی میں اپنے حکم سے

وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ

اور ان کو چلاتا ہے سیدھی راہ ۔ بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَ مَنْ فِي

تو کہہ دے پھر کس کا بس چل سکتا ہے اللہ کے آگے اگر وہ چاہے کہ ہلاک کرے مسیح مریم کے بیٹے کو اور اُسکی ماں کو اور جتنے لوگ ہیں

الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ

زمین میں سب کو ف۴۴ اور اللہ ہی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ درمیان ان دونوں کے ہے پیدا کرتا ہے جو چاہے ف۴۵ اور اللہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ

ہر چیز پر قادر ہے ف۴۶ اور کہتے ہیں یہود اور نصاریٰ ہم بیٹے ہیں اللہ کے اور اُسکے پیارے ف۴۷ تو کہہ پھر

فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ

کیوں عذاب کرتا ہے تم کو تمہارے گناہوں پر ف۴۸ کوئی نہیں بلکہ تم بھی ایک آدمی ہو اُسکی مخلوق میں ف۴۹ بخشے جس کو چاہے اور عذاب کرے جس کو

يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ

چاہے ف۸۰ اور اللہ ہی کیلئے ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور جو کچھ دونوں کے بیچ میں ہے اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ف۸۱ اے کتاب والو آیا ہے

جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا

تمہارے پاس رسول ہمارا کھولتا ہے تم پر ف۸۲ رسولوں کے انقطاع کے بعد کبھی تم کہنے لگو کہ ہمارے پاس نہ آیا کوئی خوشی یا ڈر

نَذِيْرٍ ؗ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾

سنانے والا سو آچکا تمہارے پاس خوشی اور ڈر سنانیوالا ف۸۳ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ف۸۴

(۴۲) شاید "نور" سے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور "کتاب مبین" سے قرآن کریم مراد ہے۔ یعنی یہود و نصاریٰ جو وحی الٰہی کی روشنی کو ضائع کر کے اہواء و آراء کی تاریکیوں اور باہمی خلاف و شقاق کے گڑھوں میں پڑے دھکے کھا رہے ہیں، جس سے نکلنے کا بحالت موجودہ قیامت تک امکان نہیں اُن سے کہدو کہ خدا کی سب سے بڑی روشنی آگئی۔ اگر نجات ابدی کے صحیح راستہ پر چلنا چاہتے ہو تو اس روشنی میں حق تعالیٰ کی رضا کے پیچھے چل پڑو۔ سلامتی کی راہیں کھلی پاؤ گے اور اندھیرے سے نکل کر اُجالے میں بے کھٹکے چل سکو گے اور جس کی رضا کے تابع ہو کر چل رہے ہو اُسی کی دستگیری سے صراط مستقیم کو بے تکلف طے کر لو گے۔

(۴۳) **حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت کا ابطال** یعنی مسیح کے علاوہ خدا کوئی اور چیز نہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ نصاریٰ میں سے "فرقہ یعقوبیہ" کا ہے جن کے نزدیک مسیح کے قالب میں خدا حلول کئے ہوئے ہے (معاذ اللہ) یا یوں کہا جائے کہ جب "نصاریٰ" حضرت مسیح کی نسبت "الوہیت" کے قائل ہیں اور ساتھ ہی توحید کا بھی زبان سے اقرار کرتے جاتے ہیں یعنی خدا ایک ہی ہے تو ان دونوں دعووں کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک مسیح کے سوا کوئی خدا نہ ہو۔ بہر حال کوئی صورت لے جائے اس عقیدہ کے کفر صریح ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

(۴۴) یعنی اگر فرض کرو خدائے قادر و قہار یہ چاہے کہ حضرت مسیح اور مریم اور اگلے پچھلے کل زمین پر بسنے والوں کو اکٹھا کر کے ایک دم میں ہلاک کر دے، تو تم ہی بتلاؤ کہ اُس کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے یعنی ازل و ابد کے سارے انسان بھی اگر فرض کرو مجتمع کر دیے جائیں اور خدا ایک آن میں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو سب کی اجتماعی قوت بھی خدا کے ارادہ کو تھوڑی دیر کے لئے ملتوی نہیں کر سکتی۔ کیونکہ مخلوقات کی قدرت جو عطائی اور محدود ہے۔ خدا کی ذاتی اور لامحدود قدرت کے مقابلہ میں عاجز محض ہے جس کا اعتراف خود وہ لوگ بھی کرتے ہیں جن کے رد میں یہ خطاب

کیا جا رہا ہے بلکہ خود مسیح بن مریم بھی جن کو یہ لوگ خدا بنا رہے ہیں، اس کے معترف ہیں۔ چنانچہ مرقس کی انجیل میں حضرت مسیح کا یہ مقولہ موجود ہے "اے باپ ہر چیز تیری قدرت کے تحت میں ہے تو مجھ سے یہ (موت) کا پیالہ ٹلا دے اس طرح نہیں جو میں چاہتا ہوں بلکہ اُس طرح جیسے تیرا ارادہ ہے"۔ پس جب حضرت مسیح علیہ السلام جن کو تم خدا کہتے ہو اور اُن کی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ جو تمہارے زعم میں خدا کی ماں ہوئیں وہ دونوں بھی تمام من فی الارض کے ساتھ مل کر خدا کی مشیت و ارادہ کے سامنے عاجز ٹھہرے تو خود سوچ لو کہ اُن کی یا اُن کی والدہ یا کسی اور مخلوق کی نسبت خدائی کا دعویٰ کرنا کس قدر گستاخی اور شوخ چشمی ہوگی۔ آیۃ کی اس تقریر میں ہم نے "ہلاک" کو "موت" کے معنی میں لیا ہی مگر "جمیعًا" کے لفظ کی تھوڑی سی وضاحت کر دی۔ جو مدلول لفظ "جمیعًا" کا ہم نے بیان کیا وہ ائمہ عربیہ کی تصریحات کے عین موافق ہے۔ اس کے سوا یہ بھی ممکن ہے کہ آیۃ میں "ہلاک" کے معنی "موت" کے نہ لئے جائیں جیسا کہ راغب نے لکھا ہے کبھی "ہلاک" کے معنی ہوتے ہیں "کسی چیز کا مطلقاً فنا اور نیست و نابود ہو جانا" مثلاً کل شی ھالک الا وجھہ یعنی خدا کی ذات کے سوا ہر چیز نابود ہونے والی ہے۔ اس معنی پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر خدائے قدیر حضرت مسیح اور اُن کی والدہ اور تمام من فی الارض کو قطعًا نیست و نابود اور بالکلیہ فنا کر ڈالنے کا ارادہ کرے تو کون ہی جو اس کے ارادہ کو روک دے گا۔ اوست سلطاں ہر چہ خواہد آں کند ÷ عالمے را در دمے ویراں کند۔ حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کسی جگہ نبیوں کے حق میں ایسی بات فرماتے ہیں تا اُن کی اُمت بندگی کی حد سے زیادہ نہ چڑھا دے۔ والا نبی اس لائق کاہے کو ہیں" کہ اُن کے مرتبہ عالی اور وجاہت عنداللہ کا خیال کرتے ہوئے ایسا خطاب کیا جاتا۔

(۷۵) جو چاہے اور جس طرح چاہے۔ مثلاً حضرت "مسیح" کو بدون باپ کے حضرت "حوّا" کو بدون ماں کے اور حضرت آدم علیہ السلام کو بدون ماں اور باپ کے پیدا کر دیا۔

(۷۶) کسی کا زور اُس کے سامنے نہیں چل سکتا۔ سب اخیار و ابرار بھی وہاں مجبور ہیں۔

(۷۷) **یہود و نصاریٰ کا ابناء اللہ ہونے کا دعویٰ** شاید اپنے کو "بیٹے" یعنی اولاد کو اس کے لئے کہتے ہوں کہ اُن کی "بائیبل" میں خدا نے اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کو اپنا پہلوٹا بیٹا اور اپنے کو اُس کا باپ کہا ہے۔ ادھر نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو "ابن اللہ" مانتے ہیں تو اسرائیل کی اولاد اور حضرت مسیح کی اُمت ہونے کی وجہ سے غالبًا "ابناء اللہ" کا لفظ اپنی نسبت استعمال کیا ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ "بیٹا" کہنے سے مراد یہ ہو کہ ہم خدا کے خواص اور محبوب ہونے کی وجہ سے گویا اولاد ہی جیسے ہیں۔ اس صورت میں "ابناء" کا حاصل وہ ہی ہو جائیگا جو لفظ "احباء" کا ہے۔

(۷۸) چونکہ کسی مخلوق کا حقیقۃً "ابن اللہ" ہونا بالکل محال اور بدیہی البطلان ہے اور خدا کا محبوب بن جانا ممکن تھا یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (مائدہ رکوع ۸) اس لئے اس جملہ میں اول "محبوبیت" (پیارے ہونے) کے دعوے کا رد کیا گیا یعنی جو قوم علانیہ بغاوتوں اور شدید ترین گناہوں کی بدولت یہاں بھی کئی طرح کی رسوائیوں اور عذاب میں گرفتار ہو چکی اور آخرت میں بھی حبس دوام کی سزا کا عقلًا و نقلًا استحقاق رکھتی ہے۔ کیا ایسی باغی و عاصی قوم کی نسبت ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی ذی شعور یہ خیال کر سکتا ہے کہ وہ خدا کی محبوب اور پیاری ہوگی؟ خدا سے کسی کا نسبی رشتہ نہیں۔ اُس کا پیار اور اُس کی محبت صرف اطاعت اور حُسنِ عمل سے حاصل ہو سکتی ہے ایسے کٹر مجرموں کو جو سخت سے سخت سزا کے مستحق اور مورد بن چکے ہوں شرمانا چاہئے کہ وہ "نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ" کا دعویٰ کریں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کو باوجودیکہ اُن کا صلبی بیٹا تھا خدا نے فرما دیا۔ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (ہود، رکوع ۴)

(۷۹) "بَشَر" اصل لغت میں کھال کی اوپر والی سطح کو کہتے ہیں۔ تھوڑی سے مناسبت سے آدمی کو "بشر" کہنے لگے۔ شاید اس لفظ کے یہاں اختیار کرنے میں یہ نکتہ ہو کہ تم کو خدا کا بیٹا اور پیارا تو در کنار، شریف اور ممتاز انسان بھی نہیں کہا جا سکتا۔ صرف بشرہ اور شکل و صورت کے لحاظ سے

خدا کے پیدا کئے ہوئے ایک معمولی آدمی کہلائے جا سکتے ہو جن کی پیدائش بھی اُسی معتاد طریقہ سے ہوئی ہے جس طرح عام انسانوں کی ہوتی ہے۔ پھر بھلا "ابنیت" کا وہم کدھر سے راہ پا سکتا ہے۔

(۸۰) کیونکہ وہ ہی جانتا ہے کہ کون بخشنے کے لائق ہے اور کسے سزا دیجائے۔

(۸۱) تو جسے وہ اپنی رحمت اور حکمت سے معاف کرنا چاہے یا عدل و انصاف سے سزا دینا چاہے اُس میں کون مزاحم ہو سکتا ہے نہ کسی مجرم کے لئے یہ گنجائش ہے کہ اُس کے قلمرو آسمان و زمین سے باہر نکل جائے اور نہ یہ کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں کہیں اور بھاگ جائے

(۸۲) **اہل کتاب کو رسول اللہ کی اطاعت کا حکم** یعنی ہمارے احکام و شرائع نہایت توضیح کے ساتھ کھول کھول کر بیان کرتے ہیں اس رکوع کے شروع سے "بنی اسرائیل" (یہود و نصاریٰ) کی مختلف قسم کی شرارتوں اور حماقتوں کو بیان فرما کر یہ بتلایا تھا کہ اب ہمارا رسول تمہارے پاس آچکا جو تمہاری غلط کاریوں کو واضح کرتا ہے اور تم کو ظلمت سے نکال کر نور کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ اُس کے بعد اس پر متنبہ فرمایا کہ اب نور ہدایت کی طرف جانا دو چیزوں پر موقوف ہے۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل کرو اور مخلوق و خالق کے تعلق کے متعلق غلط عقیدے مت جماؤ "لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم" سے یہاں تک اسی جزء کا بیان تھا۔ دوسری چیز یہ ہے کہ نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ جو تمام انبیائے سابقین کے کمالات کے جامع اور شرائع الٰہیہ کے سب سے بڑے اور آخری شارح ہیں اس جزو کا بیان اس آیت یا اھل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم علیٰ فترۃ الخ میں کیا گیا ہے۔

(۸۳) حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد تقریباً چھ سو برس سے انبیاء کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ ساری دنیا الا ماشاء اللہ جہل، غفلت اور اوہام و اہواء کی تاریکیوں میں پڑی تھی۔ ہدایت کے چراغ گل ہو چکے تھے۔ ظلم و عدوان فساد و الحاد کی گھٹا تمام آفاق پر چھا رہی تھی اس وقت سارے جہان کی اصلاح کے لئے خدا نے سب سے بڑا "ہادی" اور "نذیر" و "بشیر" بھیجا، جو جاہلوں کو فلاح دارین کے راستے بتلائے غافلوں کو اپنے انذار و تخویف سے بیدار کرے اور پست ہمتوں کو بشارتیں سُنا کر اُبھارے۔ اسطرح ساری مخلوق پر خدا کی حجت تمام ہو گئی۔ کوئی مانے یا نہ مانے

(۸۴) یعنی تم اگر اس پیغمبر کی بات نہ مانو گے تو خدا کو قدرت ہے کہ کوئی دوسری قوم کھڑی کر دے جو اُس کے پیغام کو پوری طرح قبول کرے گی اور پیغمبر کا ساتھ دے گی خدا کا کام کچھ تم پر موقوف نہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر ف۸۵ جب پیدا کئے تم میں نبی ف۸۶ اور کر دیا تم کو

مُّلُوْكًا ۖ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ

بادشاہ ف۸۷ اور دیا تم کو جو نہیں دیا تھا کسی کو جہان میں ف۸۸ اے قوم داخل ہو زمین پاک میں

الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا

جو مقرر کر دی ہے اللہ نے تمہارے واسطے ف۸۹ اور نہ لوٹو اپنی پیٹھ کی طرف پھر جا پڑو گے نقصان میں ف۹۰ بولے اے موسیٰ وہاں ایک قوم

قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

ہے زبردست ف۹۱ اور ہم ہرگز وہاں نہ جاویں گے یہاں تک کہ وہ نکل جاویں اُس میں سے پھر اگر وہ نکل جاویں گے اُس میں سے تو ہم ضرور داخل ہوں گے ف۹۲

(۸۵) موضح القرآن میں ہے کہ حضرت ابراہیم اپنے باپ کا وطن چھوڑ نکلے اللہ کی راہ میں اور ملک شام میں آکر ٹھہرے اور مدت تک اُنکے

اولاد نہ ہوئی تب اللہ تعالیٰ نے بشارت دی کہ تیری اولاد بہت پھیلاؤنگا اور زمین شام اُنکو دونگا اور نبوت، دین، کتاب اور سلطنت اُن میں رکھونگا۔ پھر حضرت موسیٰ کے وقت وہ وعدہ پورا کیا۔ بنی اسرائیل کو فرعون کی بیگار سے خلاص کیا۔ اور اُس کو غرق کیا اور اُن کو فرمایا کہ جہاد کرو عمالقہ سے ملک شام فتح کرلو۔ پھر ہمیشہ وہ ملک شام تمہارا ہے حضرت موسیٰ نے بارہ شخص بارہ قبائل بنی اسرائیل پر سردار کئے تھے اُن کو بھیجا کہ اس ملک کی خبر لاویں وہ خبر لائے تو ملک شام کی بہت خوبیاں بیان کیں اور وہاں جو عمالقہ مسلط تھے اُن کا زور و قوت بیان کیا حضرت موسیٰ نے اُن کو کہا کہ تم قوم کے سامنے ملک کی خوبی بیان کرو اور دشمن کی قوت کا ذکر مت کرو۔ اُن میں سے دو شخص اس حکم پر رہے اور دس نے خلاف کیا۔ قوم نے سُنا تو نامردی کرنے لگی اور چاہا کہ پھر اُلٹے مصر چلے جائیں۔ اس تقصیر کی وجہ سے چالیس برس فتح میں دیر لگی۔ اِس قدر مدت جنگلوں میں بھٹکتے پھرتے رہے۔ جب اُس قرن کے لوگ مرچکے مگر وہ دو شخص کہ وہ ہی حضرت موسیٰ کے بعد خلیفہ ہوئے اُن کے ہاتھ سے فتح ہوئی۔

(۸۶) **بنی اسرائیل پر اللہ کی نعمتوں کا ذکر** یعنی تمہارے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم سے لے کر آج تک کتنے نبی تم میں پیدا کئے۔ مثلاً حضرت اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب، یوسف اور خود موسیٰ و ہارون علیہم الصلوٰۃ والسلام پھر اُن کے بعد بھی یہ ہی سلسلہ مدت دراز تک اُن میں قائم رکھا۔

(۸۷) یعنی فرعونیوں کی ذلیل ترین غلامی سے آزادی دلا کر اُنکے اموال و املاک پر قابض کیا اور اس سے پہلے تم ہی میں سے حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کے خزائن اور سلطنت پر کیسا تسلط عطا فرمایا۔ پھر مستقبل میں بھی حضرت سلیمان وغیرہ نبی اور بادشاہ پیدا کئے۔ گویا دین اور دنیا دونوں کی اعلیٰ نعمتوں سے تم کو سرفراز کیا۔ کیونکہ دینی مناصب میں سب سے بڑا منصب نبوت اور دنیوی اقبال کی آخری حد آزادی اور بادشاہت ہے یہ دونوں چیزیں مرحمت کی گئیں۔

(۸۸) یعنی اس وقت جب موسیٰ علیہ السلام کو یہ خطاب فرمارہے تھے، بنی اسرائیل پر تمام دنیا کے لوگوں سے زیادہ خدا کی نوازشیں ہوئیں۔ اور اگر "احدًا من العالمین" کو عموم پر حمل کیا جائے تو یہ اس لئے صحیح نہ ہوگا کہ اُمتِ محمدیہ کی نسبت خود قرآن میں تصریح ہے۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس۔ (آل عمران رکوع ۱۲) اور وکذٰلک جعلناکم اُمۃ وسطًا لتکونوا شہداء علی الناس (بقرہ رکوع ۱۷)۔

(۸۹) **یہودیوں کو ارضِ مقدس میں داخلے کا حکم اور اُنکی بزدلی** یعنی خدا نے پیشتر حضرت ابراہیمؑ سے وعدہ فرمایا تھا کہ تیری اولاد کو یہ ملک دونگا۔ وہ وعدہ ضرور پورا ہونا ہے۔ خوش قسمت ہونگے وہ لوگ جن کے ہاتھوں پر پورا ہو۔

(۹۰) یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں بُزدلی اور پست ہمتی دکھا کر غلامی کی زندگی کی طرف مت بھاگو

(۹۱) یعنی بہت قوی ہیکل، تنومند اور پُررعب۔

(۹۲) یعنی مقابلہ کی ہمت ہم میں نہیں۔ ہاں بدون ہاتھ پاؤں ہلائے پکی پکائی کھالیں گے۔ آپ معجزہ کے زور سے اُنہیں نکال دیں۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ

کہا دو مردوں نے اللہ سے ڈرنے والوں میں سے کہ خدا کی نوازش تھی اُن دو پر ۹۳ گھس جاؤ اُن پر حملہ کرکے دروازہ میں پھر جب تم اُس میں گھس جاؤ گے

فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ڬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا

تو تم ہی غالب ہوگے ۹۴ اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر یقین رکھتے ہو ۹۵ بولے اے موسیٰ ہم ہرگز نہ جاویں گے ساری عمر جب تک

دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾

وہ رہینگے اُس میں سو تو جا اور تیرا رب اور تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں ۹۶

(۹۳) وہ دو شخص حضرت یوشع بن نون اور کالب ابن یوفنا تھے جو خدا سے ڈرتے تھے۔ اسی لئے عمالقہ وغیرہ کا کچھ ڈر اُن کو نہ رہا سے

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید .: ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید۔

(۹۴) یعنی ہمت کر کے شہر کے پھاٹک تک تو چلو۔ پھر خدا تم کو غالب کریگا۔ خدا اسی کی مدد کرتا ہے جو خود بھی اپنی مدد کرے۔

(۹۵) **توکل کا مفہوم** معلوم ہوا کہ اسباب مشروعہ کو ترک کرنا توکل نہیں "توکل" یہ ہے کہ کسی نیک مقصد کے لئے انتہائی کوشش اور جہاد کرے۔ پھر اس کے مثمر و منتج ہونے کے لئے خدا پر بھروسہ رکھے۔ اپنی کوشش پر نازاں اور مغرور نہ ہو۔ باقی اسباب مشروعہ کو چھوڑ کر خالی اُمیدیں باندھتے رہنا توکل نہیں تعطل ہے۔

(۹۶) یہ اُس قوم کا مقولہ ہے جو "نحن ابناء اللّٰہ واحباءہ" کا دعویٰ رکھتی تھی۔ مگر یہ گستاخانہ کلمات اُنکے مستمر تمرد و طغیان سے کچھ بھی مستبعد نہیں

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ

بولا اے رب میری میرے اختیار میں نہیں مگر میری جان اور میرا بھائی ف۹۷ سو جدائی کر دے تو ہم میں اور اس نافرمان قوم میں ف۹۸ فرمایا

فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾

تحقیق وہ زمین حرام کی گئی ہے ان پر چالیس برس سر مارتے پھرینگے ملک میں سو تو افسوس نہ کر نافرمان لوگوں پر

وَ اتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَ لَمْ یُتَقَبَّلْ مِنَ

اور سنا اُن کو حال واقعی آدم کے دو بیٹوں کا ف۹۹ جب نیاز کی دونوں نے کچھ نیاز اور مقبول ہوئی ایک کی اور نہ مقبول ہوئی دوسرے

الْاٰخَرِ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۷﴾ لَىٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ

کی ف۱۰۰ کہا میں تجھ کو مار ڈالونگا ف۱۰۱ وہ بولا اللہ قبول کرتا ہے تو پرہیزگاروں سے ف۱۰۲ اگر تو ہاتھ چلاوے گا مجھ پر

لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾

مارنے کو میں نہ ہاتھ چلاؤں گا تجھ پر مارنے کو ف۱۰۳ میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو پروردگار ہے سب جہان کا ف۱۰۴

(۹۷) **حضرت موسیٰ کی دُعا** حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سخت دلگیر ہو کر یہ دعا فرمائی۔ چونکہ تمام قوم کی عدول حکمی اور بزدلانہ عصیان کو مشاہدہ فرما رہے تھے۔ اس لئے دعا میں بھی اپنے اور ہارون علیہ السلام کے سوا کہ وہ بھی نبی معصوم تھے اور کسی کا ذکر نہیں کیا۔ یوشع اور کالب بھی دونوں کے ساتھ تبعاً آگئے۔

(۹۸) **مسلمانوں اور یہود کا اس حکم میں موازنہ** یعنی جدائی کی دعا حسی اور ظاہری طور پر تو قبول نہ ہوئی۔ ہاں معنی جدائی ہوگئی کہ وہ سب تو عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر حیران و سرگرداں پھرتے تھے اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام پیغمبرانہ اطمینان اور پورے قلبی سکون کے ساتھ اپنے منصب ارشاد و اصلاح پر قائم رہے۔ جیسے کسی بستی میں عام وبا پھیل پڑے اور ہزاروں بیماروں کے مجمع میں دو چار تندرست اور قوی القلب ہوں جو اُن کے معالجہ، چارہ سازی اور تفقد احوال میں مشغول رہیں۔ اگر "فافرق بیننا" کا ترجمہ "جدائی کر دے" کی جگہ "فیصلہ کر دے" کی جگہ "فیصلہ کر دے" ہوتا تو یہ مطلب زیادہ واضح ہو جاتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ سب قصہ اہل کتاب کو سنایا اس پر کہ تم پیغمبر آخر الزمان کی رفاقت نہ کرو گے جیسے تمہارے اجداد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رفاقت چھوڑ دی تھی اور جہاد سے جان چرا بیٹھے تھے۔ تو یہ نعمت اوروں کو نصیب ہوگی۔ چنانچہ نصیب ہوئی۔ ایک لمحہ کے لئے اس رکوع کو سامنے رکھ کر امت محمدیہ کے احوال پر غور کیجئے اُن پر خدا کے انعامات ہوئے جو نہ پہلے کسی اُمت پر ہوئے نہ آئندہ ہونگے۔ ان کے لئے خاتم الانبیاء سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو ابدی شریعت دے کر بھیجا۔ اُن میں وہ علماء اور ائمہ

پیدا کیے جو باوجود غیر نبی ہونے کے انبیاء کے وظائف کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ ایسے ایسے خلفاء نبی علیہ السلام کے بعد اُمت کے قائد بنے جنہوں نے سارے جہان کو اخلاق اور اصول سیاست وغیرہ کی ہدایت کی۔ اس اُمت کو بھی جہاد کا حکم ہوا۔ عمالقہ کے مقابلہ میں نہیں روئے زمین کے تمام جبارین کے مقابلہ میں۔ محض سرزمین "شام" فتح کرنے کے لئے نہیں بلکہ شرق و غرب میں "کلمۃ اللہ" بلند کرنے اور فتنہ کی جڑ کاٹنے کے لئے بنی اسرائیل سے خدا نے ارض مقدسہ کا وعدہ کیا تھا لیکن اس اُمت سے یہ فرمایا وعد اللّٰہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا (نور۔ رکوع ۷) اگر بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام نے جہاد میں پیٹھ پھیرنے سے منع کیا تھا تو اس امت کو بھی خدا نے اس طرح خطاب کیا۔ یایھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفاً فلا تولوھم الادبار (انفال رکوع ۲) انجام یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفقاء تو عمالقہ سے ڈر کر یہاں تک کہہ گذرے کہ اذھب انت وربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون۔ تم اور تمہارا پروردگار جاکر لڑلو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ لیکن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا کہ خدا کی قسم اگر آپ سمندر کی موجوں میں گھس جانے کا حکم دیں گے تو ہم اسی میں کود پڑیں گے اور ایک شخص بھی ہم میں سے علیحدہ نہیں رہیگا۔ اُمید کہ خدا آپ کو ہماری طرف سے وہ چیز دکھلائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ ہم اپنے پیغمبر کے ساتھ ہو کر اس کے داہنے اور بائیں۔ آگے اور پیچھے ہر طرف جہاد کریں گے۔ خدا کے فضل سے ہم وہ نہیں ہیں جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا تھا "اذھب انت وربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون" اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ جتنی مدت بنی اسرائیل فتوحات سے محروم ہو کر "وادی تیہ" میں بھٹکتے رہے اس سے کم مدت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے مشرق و مغرب میں ہدایت و ارشاد کا جھنڈا گاڑ دیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ذٰلک لمن خشی ربہ۔

(۹۹) **قابیل اور ہابیل کا قصہ** یعنی آدم کے دو صلبی بیٹوں قابیل و ہابیل کا قصہ ان کو سناؤ۔ کیونکہ اس قصہ میں ایک بھائی کے دوسرے بھائی کی مقبولیت اور تقویٰ پر حسد کرنے اور اسی غیظ میں اُس کو ناحق قتل کر ڈالنے کا ذکر ہے اور ناحق خون کرنے کے عواقب بیان کئے ہیں پچھلے رکوع میں یہ بتلایا تھا کہ بنی اسرائیل کو جب یہ حکم دیا گیا کہ ظالموں اور جابروں سے قتال کرو تو خوفزدہ ہو کر بھاگنے لگے۔ اب ہابیل و قابیل کا قصہ سنانا اس کی تمہید ہے کہ متقی اور مقبول بندوں کا قتل جو شدید ترین جرائم میں سے ہے اور جس سے ان لوگوں کو بے انتہا تہدید و تشدید کے ساتھ منع کیا گیا تھا، اُس کے لئے یہ ملعون ہمیشہ کیسے مستعد اور تیار نظر آتے ہیں پہلے بھی کتنے نبیوں کو قتل کیا اور آج بھی خدا کے سب سے بڑے پیغمبر کے خلاف از راہ بغض و حسد کیسے کیسے منصوبے گانٹھتے رہتے ہیں۔ گویا ظالموں اور شریروں کے مقابلہ سے جان چرانا اور بے گناہ معصوم بندوں کے خلاف قتل واسر کی سازشیں کرنا یہ اس قوم کا شیوہ رہا ہے اور اس پر نحن ابناء اللّٰہ واحباؤہ کا دعویٰ بھی رکھتے ہیں۔ اس تقریر کے موافق قابیل و ہابیل کا قصہ، پھر اس پر من اجل ذٰلک کتبنا علیٰ بنی اسرائیل الآیۃ کی تفریع، یہ سب تمہید ہو گی اُس مضمون کی جو اس قصہ اور تفریع کے ختم پر فرمایا" ولقد جاء تھم رسلنا بالبینات ثم ان کثیرا منھم بعد ذٰلک فی الارض لمسرفون انما جزاؤا الذین یحاربون اللّٰہ ورسولہ" الخ

(۱۰۰) یعنی آدم علیہ السلام دستور کے موافق جو لڑکی ہابیل کے نکاح میں دینا چاہتے تھے قابیل اُس کا طلبگار ہوا۔ آخر حضرت آدم کے اشارہ سے دونوں نے خدا کے لئے کچھ نیاز کی کہ جس کی نیاز مقبول ہو جائے لڑکی اسی کو دے دی جائے۔ آدم علیہ السلام کو غالباً یہ یقین تھا کہ ہابیل ہی کی نیاز مقبول ہو گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آتش آسمانی ظاہر ہوئی اور ہابیل کی نیاز کو کھا گئی۔ یہ ہی علامت اُس وقت قبول عند اللہ کی تھی۔

(۱۰۱) قابیل یہ دیکھ کر آتش حسد میں جلنے لگا اور بجائے اس کے کہ مقبولیت کے وسائل اختیار کرتا غیظ و غضب میں اپنے حقیقی بھائی کو قتل کی دھمکیاں دینے لگا۔

(۱۰۲) یعنی ہابیل نے کہا کہ میرا اس میں کیا قصور ہے۔ خدا کے یہاں کسی کی زبردستی نہیں چلتی تقویٰ چلتا ہے گویا میری نیاز جو قبول کر لی گئی اس کا سبب

تقویٰ ہے۔ تو بھی اگر تقویٰ اختیار کرے تو خدا کو تجھ سے کوئی ضد نہیں۔

(۱۰۳) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "اگر کوئی ناحق کسی کو مارنے لگے اس کو رخصت ہے کہ ظالم کو مارے اور اگر صبر کرے تو شہادت کا درجہ ہے"۔ اور یہ حکم اپنے مسلمان بھائی کے مقابلہ میں ہے۔ ورنہ جہاں انتقام و مدافعت میں شرعی مصلحت و ضرورت ہو وہاں ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنا جائز نہیں۔ مثلاً کافروں یا باغیوں سے قتال کرنا۔ والذین اذا اصابہم البغی ہم ینتصرون (شوریٰ رکوع ۴)

(۱۰۴) **ہابیل کا خوفِ خدا** یعنی میں تجھ سے ڈر کر نہیں بلکہ خدا سے ڈر کر یہ چاہتا ہوں کہ جہاں تک شرعاً گنجائش ہے۔ بھائی کے خون میں اپنے ہاتھ رنگین نہ کروں ایوب سختیانی فرماتے تھے کہ اُمتِ محمدیہ میں سے پہلا شخص جس نے اس آیۃ پر عمل کر کے دکھلایا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہے (ابن کثیر) جنہوں نے اپنا گلا کٹوا دیا لیکن اپنی رضا سے کسی مسلمان کی انگلی نہ کٹنے دی۔

اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾

میں چاہتا ہوں کہ تو حاصل کرے میرا گناہ اور اپنا گناہ ف۱۰۵ پھر ہو جاوے تو دوزخ والوں میں اور یہی ہے سزا ظالموں کی ف۱۰۶

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِیْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ

پھر اس کو راضی کیا اُسکے نفس نے خون پر اپنے بھائی کے ف۱۰۷ پھر اسکو مار ڈالا سو ہو گیا نقصان اُٹھانے والوں میں ف۱۰۸ پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا جو کریدتا تھا

فِی الْاَرْضِ لِیُرِیَهٗ كَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِیْهِ ؕ قَالَ یٰوَیْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا

زمین کو تاکہ اُسکو دکھلا دے کس طرح چھپاتا ہے لاش اپنے بھائی کی بولا اے افسوس مجھ سے اتنا نہ ہو سکا کہ ہوں برابر اس

الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ۚۛ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ

کوے کی کہ میں چھپاؤں لاش اپنے بھائی کی ف۱۰۹ پھر لگا پچھتانے ف۱۱۰ اسی سبب سے لکھا ہم نے ف۱۱۱ بنی

اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ

اسرائیل پر کہ جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان کے یا بغیر فساد کرنے کے ملک میں ف۱۱۲ تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب لوگوں کو اور

مَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ

جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ کر دیا سب لوگوں کو ف۱۱۳ اور لا چکے ہیں اُنکے پاس رسول ہمارے کھلے ہوئے حکم ف۱۱۴ پھر بہت لوگ اُن میں سے اس پر

ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

بھی ملک میں دست درازی کرتے ہیں ف۱۱۵

(۱۰۵) یعنی میرے قتل کا گناہ بھی اپنے دوسرے گناہوں کے ساتھ حاصل کر لے۔ ابن جریر نے مفسرین کا اجماع نقل کیا ہے کہ "باثمی" کے معنی یہی ہیں۔ باقی جنہوں نے یہ لکھا ہے کہ قیامت میں مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈالے جائیں گے وہ مضمون بھی ایک حیثیت سے صحیح ہے مگر محققین کے نزدیک وہ اس آیت کی تفسیر نہیں۔ اب ہابیل کے کلام کا حاصل یہ ہوا کہ اگر تو نے یہ ہی ٹھان لی ہے کہ میرے قتل کا وبال اپنے سر رکھے تو میں نے بھی ارادہ کر لیا ہے کہ کوئی مدافعت اپنی جانب سے نہ کروں حتیٰ کہ ترک عزیمت کا حرف بھی مجھ پر نہ آنے پائے۔

(۱۰۶) یعنی تیرے عمر بھر کے گناہ تجھ پر ثابت رہیں اور میرے خون کا گناہ چڑھے اور مظلومیت کی وجہ سے میرے گناہ اُتریں (موضح القرآن)۔

معانقۃ وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند المتأخرین ۱۲

(۱۰۷) شاید ابتداء میں کچھ جھجک ہوگی۔ شدہ شدہ نفس امارہ نے خیال پختہ کر دیا اور یہی کیفیت عموماً معاصی کی ابتداء میں ہوتی ہے۔

(۱۰۸) **ظلم اور قطع رحم کی سزا دنیا میں** دنیوی خسران تو یہ کہ ایسا نیک بھائی جو قوت بازو بنتا ہاتھ سے کھویا اور خود پاگل ہو کر مرا۔ حدیث میں ہے کہ "ظلم" اور "قطع رحم" دو گناہ ایسے ہیں جن کی سزا آخرت سے پہلے یہاں بھی ملتی ہے۔ اور اُخروی خسران یہ کہ ظلم، قطع رحم، قتل عمد اور بدامنی کا دروازہ دنیا میں کھول دینے سے ان سب گناہوں کی سزا کا مستوجب ہوا اور آیندہ بھی جتنے اس نوعیت کے گناہ دنیا میں کئے جائیں گے سب میں بانی ہونے کی وجہ سے اُس کی شرکت رہی جیسا کہ حدیث میں مصرح ہے۔

(۱۰۹) **ہابیل کی لاش کی تدفین** چونکہ اس سے پہلے کوئی انسان مرا نہ تھا اس لئے قتل کے بعد اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ لاش کو کیا کرے۔ آخر ایک کوّے کو دیکھا کہ زمین کرید رہا ہے یا دوسرے مردہ کوّے کو مٹی ہٹا کر زمین میں چھپا رہا ہے۔ اُسے دیکھ کر کچھ عقل آئی کہ میں بھی اپنے بھائی کی لاش کو دفن کر دوں اور افسوس بھی ہوا کہ میں عقل و فہم اور بھائی کی ہمدردی میں اس جانور سے بھی گیا گذرا ہوا شاید اسی لئے حق تعالیٰ نے ایک ادنیٰ جانور کے ذریعہ سے اسے تنبیہ فرمائی کہ وہ اپنی وحشت اور حماقت پر کچھ شرمائے۔ جانوروں میں کوّے کی یہ خصوصیت ہے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کھلا چھوڑ دینے پر بہت شور مچاتا ہے۔

(۱۱۰) پچھتانا وہ نافع ہے جس کے ساتھ گناہ سے معذرت و انکسار اور فکر و تدارک بھی ہو۔ اس موقع پر اُس کا پچھتانا حق تعالیٰ کے عصیان پر نہیں بلکہ اپنی بدحالی پر تھا جو قتل کے بعد اُسے لاحق ہوئی۔

(۱۱۱) یعنی ناحق قتل میں جو دنیوی اور اُخروی خسران ہے اور جو بدنتائج اُس پر مرتب ہوتے ہیں حتیٰ کہ خود قاتل بھی اس حرکت کے بعد بسا اوقات پچھتاتا اور کف افسوس ملتا ہے۔ اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل کو یہ ہدایت کی کہ الخ

(۱۱۲) **ایک بے گناہ قتل تمام انسانوں کا قتل ہے** ملک میں فساد کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ مثلاً اہل حق کو دین حق سے روکے یا پیغمبروں کی اہانت کرے یا "العیاذ باللہ" مرتد ہو کر اپنے وجود سے دوسروں کو مرتد ہونے کی ترغیب دے۔ وقس علیٰ ذٰلک۔

(۱۱۳) یعنی اول روئے زمین پر بڑا گناہ یہی ہوا کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کیا۔ اُس کے بعد رسم پڑ گئی اسی سبب سے تورات میں اس طرح فرمایا کہ "ایک کو مارا جیسے سب کو مارا" یعنی ایک کے ناحق خون کرنے سے دوسرے بھی اُس جرم پر دلیر ہوتے ہیں۔ تو اس حیثیت سے جو شخص ایک کو قتل کر کے بدامنی کی جڑ قائم کرتا ہے گویا وہ سب انسانوں کے قتل اور عام بدامنی کا دروازہ کھول رہا ہے اور جو کسی ایک کو زندہ کرتا یعنی کسی ظالم قاتل کے ہاتھ سے بچاتا ہے گویا وہ اپنے عمل سے سارے انسانوں کے بچانے اور مامون کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔

(۱۱۴) مترجم رحمہ اللہ نے "بینات" سے کھلے ہوئے حکم مراد لئے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بینات سے وہ کُھلے کُھلے نشان مراد لئے جائیں جن سے کسی پیغمبر کے من عند اللہ ہونے کی تصدیق ہوتی ہو۔

(۱۱۵) یعنی "بنی اسرائیل" کے بہت سے لوگ ایسے کھلے نشان دیکھ کر اور ایسے کھلے احکام سُن کر بھی اپنے ظلم و طغیان اور دست درازیوں سے باز نہ آئے انبیائے معصومین کو قتل اور آپس میں ناحق خون کرنا ان کا ہمیشہ سے وتیرہ رہا ہے اور آج بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے (معاذ اللہ) قتل یا ایذاء رسانی اور مسلمانوں کی تذلیل کے لئے ہر قسم کی ناپاک سازشیں کرتے رہتے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ جب حکم توراۃ کے موافق کیف ما اتفق کسی ایک آدمی کا ناحق مار ڈالنا اتنا بڑا جرم ہے کہ گویا اُس کا قاتل تمام دنیا کے انسانوں کا قاتل ہے تو دنیا کے سب سے زیادہ کامل و اکمل انسان اور سب سے زیادہ مقبول و مقدس جماعت کے قتل و ایذاء رسانی کے درپے ہونا اور اُن سے لڑائی اور مقابلہ کے لئے کمر باندھنا خدا کے نزدیک کتنا بھاری جُرم ہوگا۔ خدا کے سُفراء سے لڑائی تو درحقیقت خدا ہی سے لڑائی کرنا ہے۔

شاید اسی لئے اگلی آیت میں اُن لوگوں کی دنیوی اور اُخروی سزا کا ذکر کیا گیا ہے جو خدا اور پیغمبر سے لڑائی کرتے ہیں یا دنیا میں طرح طرح کے فساد پھیلا کر "مسرفون فی الارض" کے مصداق بنتے ہیں۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ

یہی سزا ہے اُن کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اُسکے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو ف۱۱۶ کہ اُن کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھائے جاویں

تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ

یا کاٹے جاویں اُن کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے ف۱۱۷ یا دور کر دیئے جاویں اُس جگہ سے ف۱۱۸ یہ اُن کی رسوائی ہے دنیا میں اور اُن کے لئے

فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

آخرت میں بڑا عذاب ہے ف۱۱۹ مگر جنہوں نے توبہ کی تمہارے قابو پانے سے پہلے تو جان لو کہ اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۴﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ

بخشنے والا مہربان ہے ف۱۲۰ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ ف۱۲۱ اور جہاد کرو اس کی راہ میں تاکہ تمہارا

تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ

بھلا ہو ف۱۲۲ جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس ہو جو کچھ زمین میں ہے سارا اور اُسکے ساتھ اتنا ہی اور ہو

لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۳۶﴾

تاکہ بدلہ میں دیں اپنے قیامت کے عذاب سے تو اُن سے قبول نہ ہوگا اور ان کے واسطے عذاب دردناک ہے ف۱۲۳

(۱۱۶) **بدامنی پھیلانے والوں کی سزا** یعنی بدامنی کرنے کو اکثر مفسرین نے اس جگہ رہزنی اور ڈکیتی مراد لی ہے مگر الفاظ کو عموم پر رکھا جائے تو مضمون زیادہ وسیع ہو جاتا ہے۔ آیۃ کی جو شان نزول احادیث صحیحہ میں بیان ہوئی وہ بھی اسی کو مقتضی ہے کہ الفاظ کو اُن کے عموم پر رکھا جائے۔ "اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کرنا" یا "زمین میں فساد اور بدامنی پھیلانا" یہ دو لفظ ایسے ہیں جن میں کفار کے حملے، ارتداد کا فتنہ، رہزنی، ڈکیتی، ناحق قتل و نہب، مجرمانہ سازشیں اور مغویانہ پروپیگنڈا سب داخل ہو سکتے ہیں اور ان میں سے ہر جرم ایسا ہے جس کا ارتکاب کرنیوالا ان چار سزاؤں میں سے جو آگے مذکور ہیں کسی نہ کسی سزا کا ضرور مستحق ٹھہرتا ہے۔

(۱۱۷) یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں۔

(۱۱۸) کہیں اور لیجا کر اُنہیں قید کر دیں کما ھو مذہب الامام ابی حنیفہ رحمہ اللہ۔

(۱۱۹) ڈاکوؤں کے احوال چار ہو سکتے تھے۔ (۱) قتل کیا ہو مگر مال لینے کی نوبت نہ آئی (۲) قتل بھی کیا اور مال بھی لیا۔ (۳) مال چھین لیا مگر قتل نہیں کیا (۴) نہ مال چھین سکے نہ قتل کر سکے قصد اور تیاری کرنے کے بعد ہی گرفتار ہو گئے۔ چاروں حالتوں میں بالترتیب یہ ہی چار سزائیں ہیں جو بیان ہوئیں۔

(۱۲۰) **توبہ سے حقوق اللہ کی معافی** یعنی مذکورہ بالا سزائیں جو حدود اور حق اللہ کے طور پر تھیں وہ گرفتاری سے قبل توبہ کر لینے سے معاف ہو جاتی ہیں۔ حقوق العباد معاف نہیں ہونگے۔ مثلاً اگر کسی کا مال لیا تھا تو ضمان دینا ہوگا، قتل کیا تھا تو قصاص لیا جائیگا۔ ہاں ان چیزوں کے معاف کرنے کا حق صاحب مال اور ولی مقتول کو حاصل ہے (تنبیہ) اس حد کے سوا باقی حُدود مثلاً حد زنا، حدِ شرب خمر، حد سرقہ، حد قذف

توبہ سے مطلقاً ساقط نہیں ہوتیں۔

(۱۲۱) **لفظ وسیلہ کی تفسیر** "وسیلہ" کی تفسیر ابن عباس، مجاہد، ابو وائل، حسن وغیرہم اکابر سلف نے قربت سے کی ہے۔ تو وسیلہ ڈھونڈھنے کے معنی یہ ہونگے کہ اُس کا قرب و وصول تلاش کرو۔ قتادہ نے کہا "ای تقربوا الیہ بطاعتہ والعمل بما یرضیہ" خدا کی نزدیکی حاصل کرو اُس کی فرمانبرداری اور پسندیدہ عمل کے ذریعہ سے ایک شاعر کہتا ہے ؎ اذا غفل الواشون عدنا لوصلنا۔ وعاد التصافی بیننا والوسائل۔ اس میں یہی معنی قرب و اتصال کے مراد ہیں۔ اور وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ "وسیلہ" جنت میں ایک نہایت ہی اعلیٰ منزل ہے جو دنیا میں سے کسی ایک بندہ کو ملیگی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اذان کے بعد میرے لئے خدا سے وہ مقام طلب کیا کرو۔ تو اس مقام کا نام بھی "وسیلہ" اسی لئے رکھا گیا کہ جنت کی تمام منزلوں میں وہ سب سے زیادہ عرش رحمٰن کے قریب ہے اور حق تعالیٰ کے مقامات قرب میں سب سے بلند واقع ہوا ہے۔ بہرحال پہلے فرمایا کہ ڈرتے رہو اللہ سے لیکن یہ ڈر ایسا نہیں جیسے آدمی سانپ بچھو یا شیر بھیڑیے سے ڈر کر دور بھاگتا ہے۔ بلکہ اس بات سے ڈرنا کہ کہیں اس کی خوشنودی اور رحمت سے دور نہ جا پڑو۔ اسی لئے "اتقوا اللہ" کے بعد "وابتغوا الیہ الوسیلۃ" فرمایا یعنی اس کی ناخوشی اور بعد و ہجر سے ڈر کر قرب و وصول حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اور ظاہر ہے کہ کسی چیز سے قریب ہم اسی وقت ہو سکتے ہیں جبکہ درمیانی راستہ قطع کر لیں جس پر چل کر اس کے پاس پہنچ سکتے ہوں۔ اُسی کو فرمایا۔ "وجاھدوا فی سبیلہ" جہاد کرو اس کی راہ میں۔ یعنی اس پر چلنے کی پوری پوری کوشش کرو۔ "لعلکم تفلحون" تاکہ تم اس کی نزدیکی حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکو۔

(۱۲۲) پچھلے رکوع کے آخر میں ان لوگوں کی دنیوی و اُخروی سزا بیان فرمائی تھی جو خدا اور رسول سے جنگ کرتے اور ملک میں بدامنی اور فساد پھیلاتے ہیں۔ اس رکوع میں مسلمانوں کو اُن سزاؤں سے ڈرا کر بتلایا گیا کہ جب شقی اور بدبخت لوگ خدا اور رسول سے جنگ کریں تو تم خدا اور رسول کی طرف ہو کر جہاد کرو۔ وہ اگر زمین پر فساد پھیلاتے ہیں تو تم اپنی کوشش اور حسن عمل سے امن و سکون قائم کرنے کی فکر کرو۔

(۱۲۳) **نجات مال سے حاصل نہیں ہوتی** پچھلی آیت میں بتلایا تھا کہ انسان خدا سے ڈرنے اُس کا قرب حاصل کرنے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے ہی سے فلاح و کامیابی کی اُمید کر سکتا ہے۔ اس آیت میں متنبہ فرما دیا کہ جن لوگوں نے خدا سے روگردانی کی وہ آخرت میں اگر روئے زمین کے سارے خزانے بلکہ اس سے بھی زائد خرچ کر ڈالیں گے اور فدیہ دے کر عذاب الٰہی سے چھوٹنا چاہیں گے تو یہ ممکن نہ ہوگا۔ غرض وہاں کی کامیابی "تقویٰ" "ابتغائے وسیلہ" اور "جہاد فی سبیل اللہ" سے حاصل ہوتی ہے رشوت اور فدیہ سے نہیں ہو سکتی۔

يُرِيدُونَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴿٣٧﴾ وَالسَّارِقُ

چاہیں گے کہ نکل جاویں آگ سے اور وہ اس سے نکلنے والے نہیں اور اُن کے لئے عذاب دائمی ہے ف۱۲۴ اور چوری کرنیوالا مرد

وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٣٨﴾ فَمَنْ

اور چوری کرنیوالی عورت کاٹ ڈالو اُنکے ہاتھ ف۱۲۵ سزا میں اُن کی کمائی کی تنبیہ ہے اللہ کی طرف سے ف۱۲۶ اور اللہ غالب ہے حکمت والا ف۱۲۷ پھر جس نے

تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣٩﴾

توبہ کی اپنے ظلم کے پیچھے اور اصلاح کی تو اللہ قبول کرتا ہے اس کی توبہ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۱۲۸

(۱۲۴) احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کہ بہت سے گنہگار مومنین ایک مدت تک "دوزخ" میں رہ کر پھر نکالے جائیں گے اور حق تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے جنت میں داخل کرے گا۔ یہ آیت اُن احادیث کے مخالف نہیں کیونکہ یہاں شروع آیت سے صرف کفار کا حال بیان کیا گیا ہے۔ مومنین کے متعلق اس آیت میں کوئی حرف نہیں۔

(۱۲۵) **چوری کی سزا** یعنی پہلی مرتبہ چوری کرے تو داہنا ہاتھ گٹے پر سے کاٹ دو۔ باقی تفاصیل کتب فقہ میں ملیں گی پچھلے رکوع میں ڈکیتی وغیرہ کی سزا ذکر کی گئی تھی۔ درمیان میں بعض مناسبات کی وجہ سے جن کو ہم بیان کر چکے ہیں، مومنین کو چند ضروری نصائح کی گئیں۔ اب پھر اُسی پچھلے مضمون کی تکمیل کی جاتی ہے۔ یعنی وہاں ڈکیتی کی سزا مذکور ہوئی تھی، اس آیت میں چوری کی سزا بتلادی۔

(۱۲۶) **سخت سزاؤں کی حکمت** یعنی جو سزا چور کو دی جا رہی ہے وہ مال مسروق کا بدلہ نہیں، بلکہ اُس کے فعل "سرقہ" کی سزا ہے تاکہ اُسے اور دوسرے چوروں کو تنبیہ ہو جائے۔ بلاشبہ جہاں کہیں یہ حدود جاری ہوتی ہیں، دو چار ہی کی سزایابی کے بعد چوری کا دروازہ قطعاً بند ہو جاتا ہے۔ آج کل مدعیان "تہذیب" اس قسم کی حدود کو وحشیانہ سزا سے موسوم کرتے ہیں لیکن چوری کرنا اگر ان صاحبوں کے نزدیک کوئی مہذب فعل نہیں ہے تو یقیناً آپ کی مہذب سزا؟ اس غیر مہذب وستبرد کے استیصال میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اگر تھوڑی سی وحشت کا تحمل کرنے سے بہت سے چور مہذب بنائے جا سکتے ہوں تو حاملین تہذیب کو خوش ہونا چاہئے کہ اُن کے "تہذیبی مشن" میں اس وحشت سے مدد مل رہی ہے۔ بعض نام نہاد مفسر بھی اس کوشش میں ہیں کہ "قطع ید" (ہاتھ کاٹنے) کی سزا کو چوری کی انتہائی سزا قرار دے کر اس سے ہلکی سزا دہی کا اختیار شریعت حقہ سے حاصل کر لیں مگر مشکل یہ ہے کہ نہ تو چوری کی اس سے ہلکی سزا قرآن کریم میں کہیں موجود ہے اور نہ عہد نبوت یا عہد صحابہ میں اُس کی کوئی نظیر پائی گئی۔ کیا کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اتنے طویل عرصہ میں جتنے چور پکڑے گئے اُن میں ایک بھی ابتدائی چور نہ تھا جس پر کم از کم بیان جواز ہی کے طور پر "قطع ید" سے ہلکی کوئی ابتدائی سزا جاری کی جاتی۔ کسی ملحد نے پرانے زمانہ میں اِس "حد سرقہ" پر یہ بھی شبہ کیا تھا کہ جب شریعت نے ایک ہاتھ کی دیت پانسو دینار رکھی ہے تو اتنا قیمتی ہاتھ جس کے کٹنے پر پانسو دینار واجب ہوں، دس پانچ روپیہ کی چوری میں کس طرح کاٹا جا سکتا ہے۔ ایک عالم نے اس کے جواب میں کیا خوب فرمایا "انھا لما کانت امینۃ کانت ثمینۃ فلما خانت ھانت" یعنی جو ہاتھ امین تھا وہ قیمتی تھا جب (چوری کرکے) خائن ہوا تو ذلیل ہوا۔

(۱۲۷) چونکہ غالب ہے اس لئے اُسے حق ہے کہ جو چاہے قانون نافذ کر دے کوئی چون و چرا نہیں کر سکتا۔ لیکن چونکہ حکمت والا بھی ہے اس لئے یہ احتمال نہیں کہ محض اپنے اختیار کامل سے کام لے کر کوئی قانون بے موقع نافذ کرے۔ نیز وہ اپنے ناتواں بندوں کے اموال کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ کر سکے، یہ اس کی عزت اور غلبہ کے منافی ہے اور چوروں ڈاکوؤں کو یونہی آزاد چھوڑ دے یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔

(۱۲۸) **چور کی توبہ قابل قبول ہے** یعنی توبہ اگر ٹھیک ہو جس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ چوری کا مال مالک کو واپس کرے اور اگر تلف ہو گیا ہو تو ضمان دے اور ضمان نہ دے سکے تو معاف کرائے۔ اور اپنے فعل پر نادم ہو اور آئندہ کے لئے اُس سے مجتنب رہنے کا عزم رکھے۔ تو اس طرح کی توبہ سے اُمید ہے کہ حق تعالیٰ اُخروی عقوبت جس کے مقابلہ میں دنیوی سزا کی کچھ حقیقت نہیں، اس پر سے اٹھالے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ

تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے واسطے ہے سلطنت آسمان اور زمین کی عذاب کرے جس کو چاہے اور بخشے جس کو چاہے

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ

اور اللہ سب چیز پر قادر ہے ف ۱۲۹ اے رسول غم نہ کر اُن کا جو دوڑ کر گرتے ہیں کفر میں ف ۱۳۰ وہ

الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ

لوگ جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اپنے منہ سے اور اُن کے دل مسلمان نہیں اور وہ جو یہودی ہیں ف ۱۳۱ جاسوسی کرتے ہیں

لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ

جھوٹ بولنے کے لئے وہ جاسوس ہیں دوسری جماعت کے جو تجھ تک نہیں آئے ف ۱۳۲ بدل ڈالتے ہیں بات کو اُس کا ٹھکانا چھوڑ کر ف ۱۳۳ کہتے ہیں

اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ

اگر تم کو یہ حکم ملے تو قبول کر لینا اور اگر یہ حکم نہ ملے تو بچتے رہنا ف ۱۳۴ اور جس کو اللہ نے گمراہ کرنا چاہا سو تو اُس کے لئے کچھ

لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْيٌ

نہیں کر سکتا اللہ کے ہاں ف ۱۳۵ یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ دل پاک کرے اُن کے ف ۱۳۶ اُن کو دنیا میں ذلت ہے

وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾

اور اُن کو آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

(۱۲۹) جب حقیقی سلطنت و حکومت اُسی کی ہے تو بلاشبہ اسی کو یہ اختیار ہو گا کہ جسے مناسب جانے معاف کر دے اور جسے اپنے حکمت و عدل کے موافق سزا دینا چاہے سزا دے اور نہ صرف یہ کہ اُسے معاف کرنے اور سزا دینے کے کلی اختیارات حاصل ہیں بلکہ ان اختیارات کے استعمال سے کوئی روکنے والا بھی نہیں۔ کیونکہ ہر چیز پر وہ پوری قدرت رکھتا ہے۔

(۱۳۰) **حدود اللہ میں تحریف کا ایک واقعہ** پچھلی آیات میں ڈکیتی اور چوری وغیرہ کی حدود بیان کی گئی تھیں۔ اب بعض اُن اقوام کا حال سناتے ہیں جنہوں نے "حدود اللہ" میں تحریف کر کے اپنے کو عذاب عظیم کا مستحق ٹھہرایا۔ ان کا مفصل واقعہ بغوی نے یہ لکھا ہے کہ خیبر کے ایک یہودی مرد اور عورت نے جو کنوارے نہ تھے زنا کیا۔ باوجودیکہ تورات میں اس جرم کی سزا "رجم" (سنگسار کرنا) تھی، مگر اُن دونوں کی بڑائی مانع تھی کہ یہ سزا جاری کی جائے۔ آپس میں یہ مشورہ ہوا کہ یہ شخص جو "یثرب" میں ہے (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی کتاب میں "زانی" کے لئے "رجم" کا حکم نہیں، کوڑے مارنے کا ہے تو "بنی قریظہ" کے یہود میں سے کچھ آدمی اُن کے پاس بھیجو، کیونکہ وہ اُن کے ہمسایہ ہیں اور اُن سے صلح کا معاہدہ بھی کر چکے ہیں۔ وہ اُن کا خیال معلوم کر لیں گے۔ چنانچہ ایک جماعت اس کام کے لئے روانہ کی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عندیہ معلوم کرے کہ "زانی محصن" کی کیا سزا تجویز کرتے ہیں۔ اگر وہ کوڑے مارنے کا حکم دیں تو ان پر رکھ کر قبول کر لو۔ اور "رجم" کا حکم دیں تو مت مانو۔ ان کے دریافت کرنے پر حضورؐ نے فرمایا کہ تم میرے فیصلہ پر رضامند ہو گے انہوں نے اقرار کر لیا۔ خدا کی طرف سے جبرئیل "رجم" کا حکم لے آئے مگر وہ لوگ اپنے اقرار سے پھر گئے آخر حضور نے فرمایا کہ فدک کا رہنے والا ابن صوریا تم میں کیسا شخص ہے؟ سب نے کہا کہ آج روئے زمین پر "شرائع موسویہ" کا اس سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔ آپ نے اُس کو بلوایا اور نہایت ہی شدید حلف دے کر پوچھا کہ تورات میں اس گناہ کی سزا کیا ہے؟ باوجودیکہ دوسرے یہود اس حکم کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے جس کا پردہ حضرت عبد اللہ بن سلام کے ذریعہ سے فاش ہو چکا تھا تاہم ابن صوریا نے جو اُن کا مسلّم

معتمد تھا کسی نہ کسی وجہ سے اس کا اقرار کر لیا کہ وہ بیشک تورات میں اس جرم کی سزا رجم ہی ہے۔ بعدہ اس نے سب حقیقت ظاہر کی کہ کس طرح یہود نے رجم کو اڑا کر زنا کی سزا یہ رکھ دی کہ زانی کو کوڑے لگائے جائیں اور کالا منہ کر کے اور گدھے پر الٹا سوار کرا کر گشت کرایا جائے۔ الحاصل حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں مرد و عورت پر رجم کی سزا جاری کی۔ اور فرمایا کہ اے اللہ آج میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم کو دنیا میں زندہ کیا اس کے بعد کہ وہ اُسے مردہ کر چکے تھے۔ یہ واقعہ ہے۔

(۱۳۱) یعنی منافقین اور یہود بنی قریظہ۔

(۱۳۲) **سمّٰعون کے معنی:** "سماعون" کے معنی ہیں بہت زیادہ سننے والے اور کان دھرنے والے، پھر "بہت زیادہ سننا" کبھی تو جاسوسی پر اطلاق کیا جاتا ہے اور کبھی اُس کے معنی ہوتے ہیں "بہت زیادہ قبول کرنے والا" جیسے "سمع اللہ لمن حمدہ" میں سننے کے معنی قبول کرنے کے ہیں۔ مترجم رحمہ اللہ نے یہاں پہلے معنی مراد لئے ہیں۔ لیکن ابن جریر وغیرہ محققین نے دوسرے معنی پر حمل کیا ہے "سمّٰعون للکذب" یعنی جھوٹ اور باطل کو بہت زیادہ ماننے اور قبول کرنے والے "سمّٰعون لقوم اٰخرین" یعنی دوسری جماعت جس نے ان کو بھیجا اور خود تمہارے پاس نہیں آئی اُن کی بات بہت زیادہ ماننے والے۔

(۱۳۳) یعنی خدا کے احکام میں تحریف کرتے ہیں یا کہیں کی بات کہیں لگا دیتے ہیں۔

(۱۳۴) یعنی اگر کوڑے لگانے کا حکم ملے تو قبول کرو ورنہ نہیں۔ گویا خدا کی شریعت کو اپنی ہوا کے تابع رکھنا چاہتے تھے۔

(۱۳۵) **خیر اور شر کا خالق اللہ ہی ہے:** ہدایت وضلالت، خیر و شر کوئی چیز بھی بدون ارادۂ خداوندی کے عالم وجود میں نہیں آسکتی یہ ایک ایسا اصول ہے کہ جس کا انکار کرنا اُس کے تسلیم کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔ فرض کرو کہ ایک شخص چوری کرنے کا ارادہ کرتا ہے لیکن خدا کا ارادہ یہ ہے کہ چوری نہ کرے اب وہ شخص اگر اپنے ارادہ میں کامیاب رہا تو لازم آتا ہے کہ خدا اُس کے مقابلہ میں معاذ اللہ عاجز ہو۔ اور اگر خدا ہی کا ارادہ بندہ کے ارادہ پر غالب رہتا ہے تو لازم آتا ہے کہ دنیا میں کہیں چوری وغیرہ کسی شر کا وجود نہ رہے اور اگر خدا تعالیٰ خیر و شر میں سے کسی کا بھی ارادہ نہیں کرتا تو اس سے معاذ اللہ اس کا تعطل یا غفلت و سفاہت لازم آتی ہے۔ تعالیٰ اللہ عن کل الشرور و تقدس۔ ان تمام شقوق پر غور کرنے کے بعد ناچار وہ ہی ماننا پڑیگا کہ کوئی چیز بھی اس کے ارادہ تخلیق کے بدون موجود نہیں ہو سکتی۔ یہ مسئلہ نہایت مہم اور طویل الذیل ہے۔ ہمارا قصد ہے کہ اس قسم کے مسائل کے متعلق مستقل مضمون لکھ کر فوائد کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔ واللہ الموفق۔

(۱۳۶) **یہود کی دائمی گمراہی و ذلت:** اوّل منافقین اور یہود کا طرز عمل بیان فرمایا جس میں یہ چند اعمال بالخصوص ذکر کئے گئے۔ ہمیشہ جھوٹ اور باطل کی طرف جھکنا۔ اہل حق کے خلاف جاسوسی کرنا بدباطن اور شریر جماعتوں کو مدد پہنچانا۔ ہدایت کی باتوں کو تحریف کر کے بدل ڈالنا۔ اپنی خواہش اور مرضی کے خلاف کسی حق بات کو قبول نہ کرنا۔ جس قوم میں یہ خصال پائی جائیں اُس کی مثال ایسے مریض کی سمجھو، جو نہ دوا استعمال کرے نہ مہلک اور مضر چیزوں سے پرہیز قائم رکھ سکے، اطباء اور ڈاکٹروں کا مذاق اڑائے، فہمائش کرنیوالوں کو گالیاں دے، نسخہ پھاڑ کر پھینک دے، یا اپنی رائے سے اُس کے اجزاء بدل ڈالے اور یہ عہد بھی کر لے کہ جو دوا میری خواہش اور مذاق کے خلاف ہو گی کبھی استعمال نہ کرونگا۔ ان حالات کی موجودگی میں کوئی ڈاکٹر یا طبیب خواہ اس کا باپ ہی کیوں نہ ہو اگر معالجہ سے دست بردار ہو کر یہی ارادہ کر لے کہ ایسے مریض کو اب اس کی بے اعتدالیوں، غلط کاریوں، ضد اور ہٹ کا خمیازہ بھگتنے دو تو کیا یہ طبیب کی بے رحمی یا بے اعتنائی کا ثبوت ہو گا یا خود مریض کی خودکشی سمجھی جائے گی۔ اب اگر مریض اس بیماری سے ہلاک ہو گیا تو طبیب کو مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے کہ اُس نے علاج نہ کیا اور تندرست کرنا نہ چاہا۔ بلکہ بیمار خود ملزم ہے کہ اُس نے

اپنے ہاتھوں سے اپنے کو تباہ کیا اور طبیب کو موقع نہ دیا کہ وہ اس کی صحت واپس لانے کی کوشش کرتا۔ ٹھیک اسی طرح یہاں یہود کی شرارت، ہوا پرستی، ضد اور ہٹ دھرمی کو بیان فرما کر جو یہ لفظ فرمائے ومن یرد اللہ فتنتہٗ الخ (جس کو اللہ نے گمراہ کرنا چاہا) اور اولٰئک الذین لم یرد اللہ ان یطھر قلوبھم (یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے چاہا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے) اس کا یہی مطلب ہے کہ خدا نے اُن کی سوءِ استعداد اور بدکاریوں کی وجہ سے اپنی نظرِ لطف وعنایت اُن پر سے اٹھالی۔ جس کے بعد ان کے راہ پر آنے اور پاکی قبول کرنے کی کوئی توقع نہیں رہی۔ آپ اُن کے غم میں اپنے کو نہ گھلائیں لقولہ تعالیٰ لا یحزنک الذین الخ باقی یہ شبہ کہ خدا تو اس پر بھی قادر تھا کہ ان کی سب شرارتوں اور غلط کاریوں کو جبراً روک دیتا اور مجبور کر دیتا کہ وہ کوئی ضد اور ہٹ کر ہی نہ سکیں۔ تو بیشک میں تسلیم کرتا ہوں کہ خدا کی قدرت کے سامنے یہ چیز کچھ مشکل نہ تھی ولو شاء ربک لاٰمن من فی الارض کلھم جمیعًا (یونس رکوع ۱۰) لیکن اس دنیا کا سارا نظام ہی ایسا رکھا گیا ہے کہ بندوں کو خیر وشر کے اکتساب میں مجبور محض نہ بنایا جائے۔ اگر صرف خیر کے اختیار پر سب کو مجبور کر دیا جاتا تو تخلیقِ عالم کی حکمت ومصلحت پوری نہ ہوتی اور حق تعالیٰ کی بہت سی صفات ایسی رہ جاتیں کہ ان کے ظہور کے لئے کوئی محل نہ ملتا۔ مثلاً عفوّ، غفور، حلیم، منتقم، ذوالبطش الشدید، قائم بالقسط، مالک یوم الدین وغیرہ۔ حالانکہ عالم کے پیدا کرنے سے غرض ہی یہ ہے کہ اس کی تمامی صفات کمالیہ کا مظاہرہ ہو۔ کوئی مذہب یا کوئی انسان جو خدا کو فاعل مختار مانتا ہے انجام کار اس کے سوا کوئی دوسری غرض نہیں بتلا سکا۔ لیبلوکم ایکم احسن عملاً (سورہ ملک رکوع ۱) اس سے زائد تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں بلکہ اس قدر بھی ہمارے موضوع سے زائد ہی ہے۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ

جاسوسی کرنیوالے جھوٹ بولنے کے لئے اور بڑے حرام کھانے والے سو اگر آویں وہ تیرے پاس تو فیصلہ کر دے ان میں یا منہ پھیر لے ان سے ف ۱۳۷ اور اگر

تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

تو منہ پھیر لے گا اُن سے تو وہ تیرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور اگر تو فیصلہ کرے تو فیصلہ کر اُن میں انصاف سے بیشک اللہ دوست رکھتا

الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ

ہے انصاف کرنیوالوں کو ف ۱۳۸ اور وہ تجھ کو کس طرح منصف بناویں گے اور اُن کے پاس تو توریت ہے جس میں حکم ہے اللہ کا پھر اُس کے پیچھے پھرے جاتے

ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ

ہیں اور وہ ہرگز ماننے والے نہیں ہیں ف ۱۳۹ ہم نے نازل کی توریت کہ اس میں ہدایت اور روشنی ہے ف ۱۴۰ اس پر حکم کرتے

بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا

تھے پیغمبر جو کہ حکم بردار تھے اللہ کے یہود کو اور حکم کرتے تھے درویش اور عالم ف ۱۴۱ اس واسطے کہ وہ نگہبان ٹھہرائے

مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا

گئے تھے اللہ کی کتاب پر اور اس کی خبرگیری پر مقرر تھے ف ۱۴۲ سو تم نہ ڈرو لوگوں سے اور مجھ سے ڈرو اور مت خریدو

بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

میری آیتوں پر مول تھوڑا ف ۱۴۳ اور جو کوئی حکم نہ کرے اُس کے موافق جو کہ اللہ نے اُتارا سو وہی لوگ ہیں کافر ف ۱۴۴

ع ۶ / ۱۰

(۱۳۷) **فیصلہ میں انصاف کا حکم** ابن عباس، مجاہد اور عکرمہ وغیرہ اکابر سلف سے منقول ہے کہ حضور کو یہ اختیار ابتداء میں تھا، آخر میں جب اسلام کا تسلط اور نفوذ کامل ہو گیا تو ارشاد ہوا وان احکم بینھم بما انزل اللہ یعنی ان کے نزاعات کا فیصلہ قانون شریعت کے موافق کر دیا کرو۔ مطلب یہ کہ اعراض اور کنارہ کشی کی ضرورت نہیں۔

(۱۳۸) قرآن کریم نے بار بار اس پر زور دیا ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی شریر ظالم اور بدمعاش کیوں نہ ہو مگر اُس کے حق میں بھی تمہارا دامن عدالت ناانصافی کے چھینٹوں سے داغدار نہ ہونے پائے۔ یہ ہی وہ خصلت ہے جس کے سہارے زمین و آسمان کا نظام قائم رہ سکتا ہے۔

(۱۳۹) **یہود تورات پر بھی یقین نہیں رکھتے** یعنی تعجب کی بات ہے کہ آپ کو حکم ٹھہراتے ہیں اور جس تورات کو کتاب آسمانی مانتے ہیں اُس کے فیصلہ پر بھی راضی نہیں۔ تو حقیقت میں ان کا ایمان کسی پر بھی نہیں۔ نہ قرآن پر نہ تورات پر۔ اگلے رکوع میں تورات وانجیل کی مدح فرما کر متنبہ کیا ہے کہ کیسی عمدہ کتاب اور کیسے علوم ہدایت تھے جن کی نالائقوں نے بے قدری کی اور انہیں ایسا ضائع کیا کہ آج اصل چیز کا پتہ لگانا بھی مشکل ہو گیا۔ آخر حق تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے بالکل آخر میں وہ کتاب بھیجی جو اُن سب پہلی کتابوں کے مطالب اصلیہ کی محافظ اور مصدق ہے۔ اور جس کی ابدی حفاظت کا انتظام نازل کرنے والے نے خود اپنے ذمہ لیا ہے۔ فللہ الحمد والمنۃ

(۱۴۰) یعنی وصول الی اللہ کے طالبین کے لئے ہدایت کا اور شبہات ومشکلات کی ظلمت میں پھنس جانے والوں کیلئے روشنی کا کام دیتی تھی

(۱۴۱) **تورات نور وہدایت تھی** یعنی تورات میں ایسا عظیم الشان دستور العمل اور آئین ہدایت تھا کہ کثیر التعداد پیغمبر اور اہل اللہ اور علماء برابر اُسی کے موافق حکم دیتے اور نزاعات کے فیصلے کرتے رہے۔

(۱۴۲) یعنی تورات کی حفاظت کا ان کو ذمہ دار بنایا گیا تھا۔ قرآن کریم کی طرح "انا لہ لحافظون" کا وعدہ نہیں ہوا۔ تو جب تک علماء واحبار نے اپنی ذمہ داری کا احساس کیا "تورات" محفوظ ومعمول رہی آخر دنیا پرست علمائے سوء کے ہاتھوں سے تحریف ہو کر ضائع ہوئی۔

(۱۴۳) **اللہ کے کلام میں تحریف نہ کرو** یعنی لوگوں کے خوف یا دنیوی طمع کی وجہ سے آسمانی کتاب میں تبدیل وتحریف مت کرو۔ اس کے احکام واخبار کو مت چھپاؤ اور خدا کی تعذیب وانتقام سے ڈرتے رہو۔ تورات کی عظمتِ شان اور مقبولیت جتلانے کے بعد یہ خطاب یا تو اُن رؤسا وعلماء یہود کو کیا گیا ہے جو نزولِ قرآن کے وقت موجود تھے کیونکہ اُنہوں نے حکم "رجم" سے انکار کر دیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشین گوئیوں کو چھپاتے اور اُن کے معنی میں عجیب طرح کے ہیر پھیر کرتے تھے۔ اور یا درمیان میں امت مسلمہ کو نصیحت ہے کہ تم دوسری قوموں کی طرح کسی سے ڈر کر یا حبِ مال وجاہ میں پھنس کر اپنی آسمانی کتاب کو ضائع مت کرنا چنانچہ اس امت نے بحمد اللہ ایک حرف بھی اپنی کتاب کا کم نہیں کیا اور آج تک اس کو مبطلین کی تغییر وتحریف سے محفوظ رکھنے میں کامیاب رہے اور ہمیشہ رہیں گے۔

(۱۴۴) "ما انزل اللہ" کے موافق حکم نہ کرنے سے غالباً یہ مراد ہے کہ منصوص حکم کے وجود ہی سے انکار کر دے اور اس کی جگہ دوسرے احکام اپنی رائے اور خواہش سے تصنیف کر لے۔ جیسا کہ یہود نے حکم "رجم" کے متعلق کیا تھا۔ تو ایسے لوگوں کے کافر ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اور اگر مراد یہ ہو کہ "ما انزل اللہ" کو عقیدۃً ثابت مان کر پھر فیصلہ عملاً اس کے خلاف کرے تو کافر سے مراد عملی کافر ہو گا۔ یعنی اُس کی عملی حالت کافروں جیسی ہے۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ

اور لکھ دیا ہمنے اُن پر اس کتاب میں کہ جی کے بدلے جی اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے

بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِۦ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُۥ ۚ وَمَن

بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلا اُنکے برابر ف ۱۴۵ پھر جس نے معاف کر دیا تو وہ گناہ سے پاک ہو گیا ف ۱۴۶ اور جو کوئی

لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ اللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ الظَّٰلِمُونَ ﴿٤٥﴾ وَقَفَّيْنَا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم بِعِيسَى ابْنِ

حکم نہ کرے اُس کے موافق جو کہ اللہ نے اُتارا سو وہی لوگ ہیں ظالم ف ۱۴۷ اور پیچھے بھیجا ہمنے اُنہی کے قدموں پر عیسیٰ مریم کے

مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَىٰةِ ۖ وَءَاتَيْنَٰهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ ۙ وَ

بیٹے کو ف ۱۴۸ تصدیق کرنیوالا توریت کی جو آگے سے تھی اور اس کو دی ہم نے انجیل جس میں ہدایت اور روشنی تھی اور

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَىٰةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ

تصدیق کرتی تھی اپنے سے اگلی کتاب توریت کی اور راہ بتلانیوالی اور نصیحت تھی ڈرنے والوں کو ف ۱۴۹ اور چاہیئے کہ حکم کریں انجیل

الْإِنجِيلِ بِمَآ أَنزَلَ اللَّهُ فِيهِ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ اللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ الْفَٰسِقُونَ ﴿٤٧﴾

والے موافق اُسکے جو کہ اُتارا اللہ نے اُس میں اور جو کوئی حکم نہ کرے موافق اُسکے جو کہ اُتارا اللہ نے سو وہی لوگ ہیں نافرمان ف ۱۵۰

(۱۴۵) **توراۃ میں قصاص کا حکم** قصاص کا یہ حکم شریعت موسوی میں تھا۔ اور بہت سے علمائے اصول نے تصریح کی ہے کہ جو پچھلی شرائع قرآن کریم یا ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نقل فرمائیں بشرطیکہ ان کی نسبت کسی جگہ حضورؐ نے کوئی انکار یا ترمیم نہ فرمائی ہو تو وہ اس امت کے حق میں بھی تسلیم کی جائیں گی۔ گویا بدون رد و انکار کے اُن کو سنانا تلقی بالقبول کی دلیل ہے۔

(۱۴۶) یعنی جروح کے قصاص کو معاف کر دینا مجروح کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ جیسا کہ بعض احادیث میں اس کی تصریح آئی ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس آیت کو جارح کے حق میں رکھا ہے یعنی اگر مجروح نے جارح کو معافی دے دی تو اسکا گناہ معاف ہو جائے گا والراجح ہو الاوّل۔

(۱۴۷) **حکم قصاص میں یہود کی بے اعتدالی** یہود نے حکم قصاص کے خلاف بھی تعامل قائم کر لیا تھا۔ اُن میں "بنی نضیر" جو زیادہ معزز اور قوی سمجھے جاتے تھے، "بنو قریظہ" سے پوری دیت وصول کرتے اور جب اُن کو دینے کی نوبت آتی تو نصف دیت ادا کرتے "بنی قریظہ" نے اپنی کمزوری کی وجہ سے اس طرح کا معاہدہ کر رکھا تھا اتفاقاً بنی قریظہ کے ہاتھ سے "بنی نضیر" کا آدمی مارا گیا۔ اُنہوں نے دستور سابق کے موافق ان سے پوری دیت طلب کی۔ بنی قریظہ نے جواب دیا کہ جاؤ وہ زمانہ گیا جب ہم نے تمہاری قوت سے مجبور ہو کر یہ ظلم منظور کر لیا تھا۔ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آچکے ہیں اُن کا دور دورہ ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ہم جو دیت تم سے لیتے ہیں اس سے دُگنی ادا کریں۔ اس سے غرض یہ تھی کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں محال ہے کہ کوئی قوی ضعیف کو کچل سکے یا دبا سکے۔ کیونکہ سب کو یقین تھا کہ آپ ہر ضعیف و قوی کے ساتھ یکساں انصاف کرتے ہیں اور اقویاء کے مظالم کے مقابلہ میں ضعفاء کی دستگیری فرماتے ہیں۔ انجام کار یہ معاملہ حضورؐ کی عدالت میں پیش ہوا اور بنی قریظہ نے جو خیال اُس پیکر عدل و انصاف کی نسبت ظاہر کیا تھا بلا کم و کاست صحیح نکلا۔ حکم قصاص کے بعد ومن لم یحکم بما انزل اللہ الخ فرمانے سے اسی

واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور چونکہ "رجم" کی طرح قصاص کے حکم شرعی ہونے سے صریحاً انکار نہیں کیا تھا۔ بلکہ آپس کی مفاہمت سے خلاف حکم شرعی ایک دستور قائم کر لیا تھا۔ تو قانون عدل کی یہ اعتقادی نہیں صرف عملی مخالفت ہوئی۔ اسی لئے یہاں کافرون کی جگہ... ظالمون فرمایا۔ یعنی یہ ظلم صریح ہے کہ قوی سے کم اور ضعیف سے زیادہ دیت لیجائے۔

(۱۴۸) یعنی ان کے نقش قدم پر یہ بھی چلتے تھے۔

(۱۴۹) **انجیل اور حضرت عیسٰی تورات کی تصدیق کرتے تھے** یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام خود اپنی زبان سے تورات کی تصدیق فرماتے تھے اور جو کتاب (انجیل) اُن کو دی گئی تھی وہ بھی تورات کی تصدیق کرتی تھی اور انجیل کی نوعیت بھی نور و ہدایت ہونے میں تورات کی طرح تھی۔ احکام و شرائع کے اعتبار سے دونوں میں بہت ہی قلیل فرق تھا جیسا کہ ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اور یہ فرق تورات کی تصدیق کے منافی نہیں جیسے آج ہم قرآن کو ماننے اور صرف اسی کے احکام کو تسلیم کرنے کے باوجود بحمداللہ تمام کتب سماویہ کے من عنداللہ ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔

(۱۵۰) **اہل انجیل سے خطاب** یا تو عیسائی جو نزول انجیل کے وقت موجود تھے اُن کو یہ حکم دیا گیا تھا اُسی کو یہاں نقل فرما رہے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ نزول قرآن کے وقت جو عیسائی مخاطب تھے اُن سے کہا گیا ہو کہ جو کچھ انجیل میں اللہ تعالیٰ نے اُتارا ہے اس کے موافق ٹھیک ٹھیک حکم کریں۔ یعنی ان پیشین گوئیوں کو چھپانے یا لغو اور مہمل تاویلات سے بدلنے کی کوشش نہ کریں جو انجیل میں پیغمبر آخر الزماں اور مقدس "فارقلیط" کی نسبت حضرت مسیح کی زبانی کی گئی ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی سخت نافرمانی ہوگی کہ جس ہادی جلیل اور مصلح عظیم کے متعلق حضرت مسیح علیہ السلام یہ فرمائیں کہ "جب وہ روح حق آئیگی تو تمہیں سچائی کی ساری راہیں بتائے گی۔ اُسی کے تکذیب پر کمر بستہ ہو کر اپنے لئے ابدی خسران قبول کرو۔ کیا مقدس مسیح اور اُس کے پروردگار کی فرمانبرداری کے یہی معنی ہیں۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ

اور تجھ پر اُتاری ہم نے کتاب سچی تصدیق کرنے والی سابقہ کتابوں کی اور اُن کے مضامین پر نگہبان ف ۱۵۱

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا

سو تو حکم کر اُن میں موافق اُسکے جو کہ اُتارا اللہ نے ف ۱۵۲ اور اُنکی خوشی پر مت چل چھوڑ کر سیدھا راستہ جو تیرے پاس آیا ف ۱۵۳ ہر ایک کو تم میں سے دیا ہم

مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ

نے ایک دستور اور راہ ف ۱۵۴ اور اللہ چاہتا تو تم کو ایک دین پر کر دیتا لیکن تم کو آزمانا چاہتا ہے اپنے دیے ہوئے

اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ ۴۸

حکموں میں ف ۱۵۵ سو تم دوڑ کر لو خوبیاں ف ۱۵۶ اللہ کے پاس تم سب کو پہنچنا ہے پھر جتا دے گا جس بات میں تم کو اختلاف تھا ف ۱۵۷

(۱۵۱) **قرآن مہیمن ہے مہیمن کی تشریح** "مہیمن" کے کئی معنی بیان کئے گئے ہیں۔ امین، غالب، حاکم، محافظ و نگہبان، اور ہر معنی کے اعتبار سے قرآن کریم کا کتب سابقہ کے لئے "مہیمن" ہونا صحیح ہے۔ خدا کی جو امانت تورات و انجیل وغیرہ کتب سماویہ میں ودیعت کی گئی تھی وہ مع شئے زائد قرآن میں محفوظ ہے۔ جس میں کوئی خیانت نہیں ہوئی۔ اور جو بعض فروعی چیزیں اُن کتابوں میں اُس زمانہ یا ان مخصوص مخاطبین کے حسب حال تھیں ان کو قرآن نے منسوخ کر دیا اور جو حقائق ناتمام تھیں۔ ان کی پوری تکمیل فرمادی ہے اور جو حصہ

اس وقت کے اعتبار سے غیر مہم تھا اُسے بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

(۱۵۲) **یہودیوں کے نزاعات میں رسول اللہ کا فیصلہ** یہود میں باہم کچھ نزاع ہو گئی تھی۔ ایک فریق جس میں اُن کے بڑے بڑے مشہور علماء اور مقتدا شامل تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور فصل نزاع کی درخواست کی اور یہ بھی کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ عموماً قوم یہود ہمارے اختیار و اقتدار میں ہے۔ اگر آپ فیصلہ ہمارے موافق کر دیں گے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے اور ہمارے اسلام لانے سے جمہور یہود اسلام قبول کر لیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رشوتی اسلام کو منظور نہ کیا اور اُن کی خواہشات کی پیروی سے صاف انکار فرما دیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (ابن کثیر)

(۱۵۳) **آنحضرتؐ کی شان عصمت اور عصمت انبیاء** گذشتہ فائدہ میں ان آیات کی جو شان نزول ہم لکھ چکے ہیں اُس سے صاف عیاں ہے کہ آیت کا نزول بعد اس کے ہوا کہ آپ اُن کی خوشی اور خواہش پر چلنے سے انکار فرما چکے تھے۔ تو یہ آیات آپ کے استقامت کی تصویب اور آئندہ بھی ایسی ہی شان عصمت پر ثابت قدم رہنے کی تاکید کے لئے نازل ہوئیں۔ جو لوگ اس قسم کی آیات کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان عصمۃ کے خلاف تصور کرتے ہیں وہ نہایت ہی قاصر الفہم ہیں۔ اوّل تو کسی چیز سے منع کرنا اس کی دلیل نہیں کہ جس کو منع کیا جا رہا ہے وہ اس ممنوع چیز کا ارتکاب کرنا چاہتا تھا۔ دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی "معصومیت" کا مطلب ہے کہ خدا کی معصیت اُن سے صادر نہیں ہو سکتی۔ یعنی کسی کام کو یہ سمجھتے ہوئے کہ خدا کو ناپسند ہے ہرگز اختیار نہیں کر سکتے۔ اور اگر اتفاقاً کسی وقت بھول چوک یا رائے واجتہاد کی غلطی سے راجح وافضل کی جگہ مرجوح ومفضول کو اختیار کر لیں یا غیر مرضی سمجھ کر عمل کر گذریں جس کو اصطلاح میں "زلّۃ" کہتے ہیں۔ تو اس طرح کے واقعات مسئلہ عصمت کے منافی نہیں۔ جیسا کہ حضرت آدم اور بعض دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات شاہد ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد "ولا تتبع اھواءھم عما جاءک من الحق" اور "واحذرھم ان یفتنوک عن بعض ما انزل اللہ الیک" اور اسی طرح کی دوسری آیات کا مطلب سمجھنے میں کوئی خلجان نہیں رہتا۔ کیونکہ ان میں صرف اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ آپ ان ملعونوں کی تلمیع اور سخن سازی سے قطعاً متاثر نہ ہوں اور کوئی ایسی رائے قائم نہ فرمالیں جس میں بلا قصد اُن کی خواہشات کے اتباع کی صورت پیدا ہو جائے۔ مثلاً اسی قصہ میں جو ان آیات کی شان نزول ہے۔ یہود نے کیسی عیارانہ اور پُر فریب صورت حضور کے سامنے پیش کی تھی کہ اگر آپ اُن کے حسب منشاء فیصلہ کر دیں تو سب یہود مسلمان ہو جائیں گے۔ وہ جانتے تھے کہ اسلام سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز آپ کے نزدیک محبوب اور عزیز نہیں۔ ایسے موقع پر امکان تھا کہ بڑے سے بڑا مستقیم انسان بھی یہ رائے قائم کر لے کہ اُن کی ایک چھوٹی سی خواہش کے قبول کر لینے میں جب کہ اتنی عظیم الشان دینی منفعت کی توقع ہو، کیا مضائقہ ہے۔ اس طرح کے خطرناک اور مزلۃ الاقدام موقع پر قرآن کریم پیغمبر علیہ السلام کو متنبہ کرتا ہے کہ دیکھو بھول کر بھی کوئی ایسی رائے قائم نہ کر لیجیے جو آپ کی شان رفیع کے مناسب نہ ہو۔ حضور کا کمال تقویٰ اور انتہائی فہم و تدبر تو نزول آیت سے پہلے ہی اُن ملاعین کے مکر و فریب کو رد کر چکا تھا لیکن فرض لیجئے اگر ایسا نہ ہو چکا ہوتا تب بھی آیت کا مضمون جیسا کہ ہم تقریر کر چکے ہیں حضور کی شان عصمت کے اصلاً مخالف نہیں۔

(۱۵۴) **شریعتوں کے اختلاف کی حقیقت** یعنی خدا نے ہر امت کا آئین اور طریق کار اس کے احوال واستعداد کے مناسب جدا گانہ رکھا ہے اور باوجودیکہ تمام انبیاء اور ملل سماویہ اصول دین اور مقاصد کلیہ میں جن پر نجات ابدی کا مدار ہے، باہم متحد اور ایک دوسرے کے مصدق رہے ہیں۔ پھر بھی جزئیات و فروع کے لحاظ سے ہر اُمت کو ان کے ماحول اور مخصوص استعداد کے موافق خاص خاص احکام و ہدایات دی گئیں۔ اس آیت میں اِسی فرعی اختلاف کی طرف اشارہ ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں جو سب

انبیاء علیہم السلام کو آپس میں علاتی بھائی فرمایا ہے جن کا باپ ایک ہو اور مائیں مختلف ہوں، اُس کا مطلب بھی یہ ہی ہے کہ اصول سب کے ایک ہیں اور فروع میں اختلاف ہے۔ اور چونکہ بچہ کی تولید میں باپ فاعل و مفیض اور ماں قابل اور محل افاضہ بنتی ہے اس سے نہایت لطیف اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ شرائع سماویہ کا اختلاف مخاطبین کی قابلیت و استعداد پر مبنی ہے، ورنہ مبدأ فیاض میں کوئی اختلاف و تعدد نہیں۔ سب شرائع و ادیان سماویہ کا سرچشمہ ایک ہی ذات اور اُس کا علم ازلی ہے۔

(۱۵۵) یعنی کون تم میں سے خدا کی مالکیت مطلقہ، علم محیط اور حکمت بالغہ پر یقین کر کے ہر نئے حکم کو حق و صواب سمجھ کر بطوع و رغبت قبول کرتا ہے اور ایک وفادار غلام کی طرح ہر جدید حکم کے سامنے گردن جھکا دینے کے لئے تیار رہتا ہے۔

(۱۵۶) یعنی شرائع کے اختلاف کو دیکھ کر خواہ مخواہ کی قیل و قال اور کج بحثیوں میں پڑ کر وقت نہ گنواؤ۔ وصول الی اللہ کا ارادہ کرنیوالوں کو عملی زندگی میں اپنی دوڑ دھوپ رکھنی چاہیئے اور جو عقائد، اخلاق اور اعمال کی خوبیاں شریعت سماویہ پیش کر رہی ہے ان کے لینے میں چستی دکھلانی چاہیئے۔

(۱۵۷) تو انجام کا خیال کر کے حسنات و خیرات کی تحصیل میں مستعدی دکھلاؤ۔ اختلافات کی سب حقیقت وہاں جا کر کھل جائیگی

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ

اور یہ فرمایا کہ حکم کر اُن میں موافق اُس کے جو کہ اُتارا اللہ نے اور مت چل اُن کی خوشی پر اور بچتا رہ اُن سے کہ تجھ کو بہکا نہ دیں کسی ایسے حکم سے

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ

جو اللہ نے اُتارا تجھ پر ف۱۵۸ پھر اگر نہ مانیں تو جان لے کہ اللہ نے یہی چاہا ہے کہ پہنچاوے اُنکو کچھ سزا اُنکے گناہوں کی ف۱۵۹ اور لوگوں

كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا

میں بہت ہیں نافرمان ف۱۶۰ اب کیا حکم چاہتے ہیں کفر کے وقت کا اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم کرنے والا

لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ؔ بَعْضُهُمْ

یقین کرنیوالوں کے واسطے ف۱۶۱ اے ایمان والو مت بناؤ یہود اور نصاریٰ کو دوست ف۱۶۲ وہ آپس میں دوست

اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

ہیں ایک دوسرے کے ف۱۶۳ اور جو کوئی تم میں سے دوستی کرے اُن سے تو وہ اُنہی میں ہے ف۱۶۴ اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو ف۱۶۵

(۱۵۸) یعنی آپس کے اختلافات میں خواہ دنیا کیسی ہی دست و گریباں رہے آپ کو یہ ہی حکم ہے کہ ما انزل اللہ کے موافق حکم دیتے رہیں۔ اور کسی کہنے سننے کی کوئی پروا نہ کریں۔

(۱۵۹) گناہوں کی کچھ سزا دنیا میں بھی ملتی ہے پوری سزا تو قیامت میں ملیگی۔ لیکن کچھ تھوڑی سی سزا دے کر یہاں بھی مجرم کو یا دوسرے دیکھنے والوں کو ایک گونہ تنبیہ کر دی جاتی ہے۔

(۱۶۰) یعنی آپ ان لوگوں کے اعراض و انحراف سے زیادہ ملول نہ ہوں۔ دنیا میں فرمانبردار بندے ہمیشہ تھوڑے ہی ہوتے ہیں وما اکثر الناس ولو حرصت بمومنین (یوسف ع۱۱)

(۱۶۱) یعنی جو لوگ خدا کی شہنشاہیت، رحمت کاملہ اور علم محیط پر یقین کامل رکھتے ہیں، اُن کے نزدیک دُنیا میں کسی کا حکم خدا کے

حکم کے سامنے لائق التفات نہیں ہوسکتا۔ پھر کیا یہ لوگ احکام الٰہیہ کی روشنی آجانے کے بعد ظنون وہواء اور کفر و جاہلیت کے اندھیرے ہی کی طرف جانا پسند کرتے ہیں۔

(۱۶۲) **اہل کتاب سے موالات کی ممانعت** "اولیاء" ولی کی جمع ہے۔ "ولی" دوست کو بھی کہتے ہیں، قریب کو بھی، ناصر اور مددگار کو بھی، غرض یہ ہے کہ "یہود و نصاریٰ" بلکہ تمام کفار سے، جیسا کہ سورۂ "نساء" میں تصریح کی گئی ہے۔ مسلمان دوستانہ تعلقات قائم نہ کریں۔ اس موقع پر یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ موالات، مروت و حسن سلوک، مصالحت، رواداری اور عدل و انصاف یہ سب چیزیں الگ الگ ہیں۔ اہل اسلام اگر مصلحت سمجھیں تو ہر کافر سے صلح اور عہد و پیمان مشروع طریقہ پر کر سکتے ہیں۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوکل علی اللہ (انفال رکوع ۸) عدل و انصاف کا حکم جیسا کہ گذشتہ آیات سے معلوم ہو چکا مسلم و کافر ہر فرد بشر کے حق میں ہے۔ "مروۃ" اور "حسن سلوک" یا "رواداری" کا برتاؤ اُن کفار کے ساتھ ہو سکتا ہے جو جماعت اسلام کے مقابلہ میں دشمنی اور عناد کا مظاہرہ نہ کریں۔ جیسا کہ سورہ "ممتحنہ" میں تصریح ہے۔ باقی "موالاۃ" یعنی دوستانہ اعتماد اور برادرانہ مناصرۃ و معاونت، تو کسی مسلمان کو حق نہیں کہ یہ تعلق کسی غیر مسلم سے قائم کرے۔ البتہ صوری موالات جو "الا ان تتقوا منهم تقاة" کے تحت میں داخل ہو، اور عام تعاون جس کا اسلام اور مسلمانوں کی پوزیشن پر کوئی بُرا اثر نہ پڑے اُسکی اجازت ہے۔ بعض خلفائے راشدین سے اس بارہ میں جو غیر معمولی تشدید و تضییق منقول ہے اُس کو محض سد ذرائع اور مزید احتیاط پر مبنی سمجھنا چاہئے۔

(۱۶۳) **کفار تمام ایک دوسرے کے دوست ہیں** یعنی مذہبی فرقہ بندی اور اندرونی بغض و عداوت کے باوجود وہ باہم ایک دوسرے سے دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں یہودی یہودی کا، نصرانی نصرانی کا دوست بن سکتا ہے اور جماعت اسلام کے مقابلہ میں سب کفار ایک دوسرے کے دوست اور معاون بن جاتے ہیں۔ الکفر ملة واحدة۔

(۱۶۴) **عبداللہ بن اُبی اور اسکے ساتھیوں کا کفر** یعنی اُن ہی کے زمرہ میں شامل ہے یہ آیتیں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے باب میں نازل ہوئی تھیں۔ یہود سے اس کا بہت دوستانہ تھا اس کا گمان نہ تھا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی افتاد پڑی اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت مغلوب ہو گئی تو یہود سے ہماری یہ دوستی کام آئیگی۔ اسی واقعہ کی طرف اگلی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ تو فی الحقیقت یہود کے ساتھ منافقین کی موالات کا اصلی منشاء یہ تھا کہ یہود جماعت اسلام کے مدمقابل اور مذہب اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص یہود و نصاریٰ یا کسی جماعت کفار کے ساتھ اس نیت اور حیثیت سے موالات کرے کہ وہ دشمن اسلام ہے۔ اس کے کفر میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ منافقین میں کچھ لوگ اور بھی تھے جنہوں نے جنگ اُحد میں لڑائی کا پانسہ بدلا ہوا دیکھ کر کہنا شروع کیا تھا کہ ہم تو اب فلاں یہودی یا فلاں نصرانی سے دوستانہ گانٹھیں گے اور ضرورت پیش آنے پر اُن ہی کا مذہب اختیار کر لیں گے، اس قماش کے لوگوں کی نسبت بھی "ومن یتولهم منکم فانه منهم" کا ظاہری مدلول علانیہ صادق ہے۔ رہے وہ مسلمان جو اس قسم کی نیت اور منشاء سے خالی ہو کر یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کریں، چونکہ اُن کی نسبت بھی قوی خطرہ رہتا ہے کہ وہ کفار کی حد سے زیادہ ہم نشینی اور اختلاط سے متاثر ہو کر رفتہ رفتہ اُن ہی کا مذہب اختیار کر لیں۔ یا کم از کم شعائر کفر اور رسوم شرکیہ سے کارہ اور نفور نہ رہیں۔ اس اعتبار سے فانه منهم کا اطلاق اُن کے حق میں بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ حدیث "المرء مع من احب" نے اس مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے۔

(۱۶۵) یعنی جو لوگ کہ دشمنان اسلام سے موالات کر کے خود اپنی جان پر اور مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں اور جماعت اسلام کے مغلوب

مقہور ہونے کا انتظار کر رہے ہیں، ایسی بدبخت، معاند اور دغاباز قوم کی نسبت یہ اُمید نہیں کی جاسکتی کہ وہ کبھی راہ ہدایت پر آئے گی

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَن تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۚ

اب تو دیکھے گا اُن کو جن کے دل میں بیماری ہے دوڑ کر ملتے ہیں اُن میں کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ نہ آجائے ہم پر گردش زمانہ کی ۱۶۶

فَعَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنفُسِهِمْ

سو قریب ہے کہ اللہ جلد ظاہر فرمادے فتح یا کوئی حکم اپنے پاس سے تو لگیں اپنے جی کی چھپی بات پر

نَادِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ

پچھتانے ۱۶۷ اور کہتے ہیں مسلمان کیا یہ وہی لوگ ہیں جو قسمیں کھاتے تھے اللہ کی تاکید سے

إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ﴿٥٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ

کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں برباد گئے اُن کے عمل پھر رہ گئے نقصان میں اے ایمان والو جو کوئی تم میں

مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

پھریگا اپنے دین سے تو اللہ عنقریب لاویگا ایسی قوم کو کہ اللہ انکو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں نرم دل ہیں مسلمانوں پر

أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ

زبردست ہیں کافروں پر لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے ۱۶۸ یہ فضل ہے

اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٤﴾

اللہ کا دیگا جس کو چاہے اور اللہ کشائش والا ہے خبردار ۱۶۹

(۱۶۶) **منافقین اور یہود کے تعلّقات** یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں شک اور نفاق کی بیماری ہے جن کو خدا کے وعدوں پر اعتماد اور مسلمانوں کی حقانیت پر یقین نہیں، اسی لئے دوڑ دوڑ کر کافروں کی آغوش میں پناہ لینا چاہتے ہیں۔ تاکہ ان کے موہوم غلبہ کے وقت ثمرات فتح سے متمتع ہو سکیں۔ اور اُن کے زعم میں جو گردشیں اور آفات جماعت اسلام پر آنے والی تھیں۔ ان سے محفوظ رہیں۔ نَخْشٰی اَنْ تُصِیْبَنَا دَائِرَۃٌ کے یہی معنی اُن کے دلوں میں مکنون تھے۔ لیکن یہی الفاظ (نخشٰی ان تصیبنا دائرۃ) جب پیغمبر علیہ السلام اور مخلص مسلمانوں کے سامنے یہود سے دوستانہ رکھنے کی معذرت میں کہتے تھے تو گردش زمانہ کا یہ مطلب ظاہر کرتے کہ یہود ہمارے ساہو کار ہیں ہم ان سے قرض و دام لے لیتے ہیں۔ اگر کوئی مصیبت: قحط وغیرہ کی پڑی تو وہ ہمارے دوستانہ تعلقات کی وجہ سے آڑے وقت میں کام آجائیں گے۔ ان ہی خیالات کا جواب آگے دیا گیا ہے۔

(۱۶۷) **آنحضرتؐ کے غلبہ کی پیشگوئی** یعنی وہ وقت نزدیک ہے کہ حق تعالیٰ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فیصلہ کُن فتوحات اور غلبہ عطا فرمائے اور مکہ معظمہ میں بھی جو تمام عرب کا مسلّمہ مرکز تھا حضور کو فاتحانہ داخل کرے یا اس کے ماسوا اپنی قدرت اور حکم سے کچھ اور امور بروئے کار لائے جنہیں دیکھ کر ان منافقین کی ساری باطل توقعات کا خاتمہ ہو اور انہیں منکشف ہو جائے کہ دشمنان اسلام کی موالات کا نتیجہ دنیوی ذلت اور رسوائی اور اُخروی عذاب الیم کے سوا کچھ نہیں۔ جب فضیحت و خسران کے یہ

نتائج سامنے آجائیں گے اس وقت بجز پچتانے اور کف افسوس ملنے کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ الاٰن قد ندمت وما ینفع الندم چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسلام کے عام غلبہ اور فتح مکہ وغیرہ کو دیکھ کر تمام اعدائے اسلام کے حوصلے پست ہو گئے۔ بہت سے یہود مارے گئے۔ بہت سے جلاوطن ہوئے۔ منافقین کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا مسلمانوں کے سامنے صریح طور پر جھوٹے ثابت ہوئے، موالات یہود میں جو کوششیں کی تھیں وہ اکارت گئیں اور خسران دنیوی اور ہلاکت ابدی کا طوق گلے میں پڑا۔ اگلی آیت میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے۔

(۱۶۸) **اسلام کی بقا اور حفاظت کی پیشگوئی** اس آیت میں اسلام کی ابدی بقا اور حفاظت کے متعلق عظیم الشان پیشگوئی کی گئی ہے۔ پچھلی آیات میں کفار کی موالات سے منع کیا گیا تھا۔ ممکن تھا کہ کوئی شخص یا قوم موالات کفار کی بدولت صریحاً اسلام سے پھر جائے، جیسا کہ ومن یتولھم منکم فانہ منھم میں تنبیہ کی گئی ہے۔ قرآن کریم نے نہایت قوت اور صفائی سے آگاہ کر دیا کہ ایسے لوگ اسلام سے پھر کر کچھ اپنا ہی نقصان کریں گے، اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے، حق تعالٰے مرتدین کے بدلے میں یا اُن کے مقابلہ پر ایسی قوم لے آئیگا جن کو خدا کا عشق ہو اور خدا ان سے محبت کرے، وہ مسلمانوں پر شفیق و مہربان اور دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں غالب اور زبردست ہونگے۔ یہ پیشین گوئی بحول اللہ وقوتہ ہر قرن میں پوری ہوتی رہی۔ ارتداد کا سب سے بڑا فتنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صدیق اکبرؓ کے عہد میں پھیلا۔ کئی طرح کے مرتدین اسلام کے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے۔ مگر صدیق اکبر کی ایمانی جرأت اور اعلیٰ تدبر اور مخلص مسلمانوں کی سرفروشانہ اور عاشقانہ خدمات اسلام نے اس آگ کو بجھایا اور سارے عرب کو متحد کر کے از سرنو اخلاص و ایمان کے راستہ پر گامزن کر دیا۔ آج بھی ہم مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ جب کبھی چند جاہل اور طامع افراد اسلام کے حلقہ سے نکلنے لگتے ہیں تو اُن سے زیادہ اور ان سے بہتر تعلیم یافتہ اور محقق غیر مسلموں کو اسلام فطری کشش سے اپنی طرف جذب کر لیتا ہے اور مرتدین کی سرکوبی کے لئے خدا ایسے وفادار اور جان نثار مسلمانوں کو کھڑا کر دیتا ہے جنہیں خدا کے راستہ میں کسی کی ملامت اور طعن و تشنیع کی پروا نہیں ہوتی۔

(۱۶۹) انسان بڑی سعادت اور اس پر خدا کا بڑا فضل یہ ہے کہ وہ فتنہ کے وقت خود جادۂ حق پر ثابت قدم رہ کر دوسروں کو ہلاکت سے بچانے کی فکر کرے۔ خدا جن بندوں کو چاہے اس سعادت کبریٰ اور فضل عظیم سے حصۂ وافر عطا فرماتا ہے۔ اُس کا فضل غیر محدود ہے اور وہ ہی خوب جانتا ہے کہ کونسا بندہ اس کا اہل اور مستحق ہے۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ

تمہارا رفیق تو وہی اللہ ہے اور اس کا رسول اور جو ایمان والے ہیں جو کہ قائم ہیں نماز پر اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ عاجزی

رَاكِعُونَ ﴿٥٥﴾ وَمَن يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿٥٦﴾

کرنیوالے ہیں ف۱۷۰ اور جو کوئی دوست رکھے اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو تو اللہ کی جماعت وہی سب پر غالب ہے ف۱۷۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا

اے ایمان والو مت بناؤ ان لوگوں کو جو ٹھہراتے ہیں تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل وہ لوگ جو کتاب

الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾

دیئے گئے تم سے پہلے اور نہ کافروں کو ف۱۷۲ اپنا دوست اور ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے ف۱۷۳

ع ۸ ۱۲

(۱۷۰) **مسلمانوں کے اصلی دوست** پچھلی آیتوں میں یہود و نصاریٰ کی موالات اور رفاقت سے مسلمانوں کو منع کیا گیا تھا، جس کو سننے کے بعد طبعی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر مسلمانوں کے تعلقات محبت و وداد اور معاملات رفاقت کن سے ہونے چاہئیں۔ اس آیت میں بتلا دیا گیا کہ اُن کا رفیق اصلی خدا اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مخلص مسلمانوں کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔

(۱۷۱) کفار کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت عدد کو دیکھتے ہوئے ممکن تھا کہ کوئی ضعیف القلب اور ظاہر بین مسلمان اس تردد میں پڑ جاتا کہ تمام دنیا سے موالات منقطع کرنے اور چند مسلمانوں کی رفاقت پر اکتفاء کر لینے کے بعد غالب ہونا تو درکنار، کفار کے حملوں سے اپنی زندگی اور بقاء کی حفاظت بھی دشوار ہے۔ ایسے لوگوں کی تسلی کے لئے فرما دیا کہ مسلمانوں کی قلت اور ظاہری بے سروسامانی پر نظر مت کرو۔ جس طرف خدا اور اُس کا رسول اور سچے وفادار مسلمان ہونگے۔ وہ ہی پلہ بھاری رہے گا۔ یہ آیتیں خصوصیت سے حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ کی منقبت میں نازل ہوئی ہیں۔ یہود بنی قینقاع سے اُن کے بہت زیادہ دوستانہ تعلقات تھے۔ مگر خدا اور رسول کی موالات اور مومنین کی رفاقت کے سامنے انہوں نے اپنے سب تعلقات منقطع کر دیے۔

(۱۷۲) کفار سے مراد یہاں مشرکین ہیں۔ جیسا کہ عطف سے ظاہر ہے۔

(۱۷۳) **کفار سے ترکِ موالات کی وجہ** گذشتہ آیات میں مسلمانوں کو موالاتِ کفّار سے منع فرمایا تھا۔ اس آیت میں ایک خاص موثر عنوان سے اسی ممانعت کی تاکید کی گئی اور موالات سے نفرت دلائی گئی ہے۔ ایک مسلمان کی نظر میں کوئی چیز اپنے مذہب سے زیادہ معظم و محترم نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اُسے بتایا گیا کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین تمہارے مذہب پر طعن و استہزاء کرتے ہیں اور شعائر اللہ (اذان وغیرہ) کا مذاق اڑاتے ہیں اور جو اُن میں خاموش ہیں وہ بھی ان افعال شنیعہ کو دیکھ کر اظہار نفرت نہیں کرتے۔ بلکہ خوش ہوتے ہیں۔ کفار کی ان احمقانہ اور کمینہ حرکات پر مطلع ہو کر کوئی فردِ مسلم جس کے دل میں خشیۃِ الٰہی اور غیرت ایمانی کا ذرا سا شائبہ ہو، کیا ایسی قوم سے موالات اور دوستانہ راہ و رسم پیدا کرنے یا قائم رکھنے کو ایک منٹ کے لئے گوارا کرے گا۔ اگر اُن کے کفر و عناد اور عداوت اسلام سے بھی قطع نظر کر لیجائے تو دین قیم کے ساتھ اُن کا یہ تمسخر و استہزاء ہی علاوہ دوسرے اسباب کے ایک مستقل سبب ترک موالات کا ہے۔

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ

اور جب تم پکارتے ہو نماز کے لئے تو وہ ٹھہراتے ہیں اُسکو ہنسی اور کھیل یہ اس واسطے کہ وہ لوگ بے عقل ہیں ف ۱۷۴ تو کہہ

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ

اے کتاب والو کیا ضد ہے تم کو ہم سے مگر یہی کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو نازل ہوا ہم پر اور جو نازل ہو چکا

قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ

پہلے اور یہی کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں ف ۱۷۵ تو کہہ میں تم کو بتلاؤں ان میں کس کی بُری جزا ہے اللہ کے ہاں وہی جس پر

اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰۤئِكَ شَرٌّ

اللہ نے لعنت کی اور اُس پر غضب نازل کیا اور اُن میں سے بعضوں کو بندر کر دیا اور بعضوں کو سور اور جنہوں نے بندگی کی شیطان کی وہی لوگ بدتر ہیں

مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾

درجہ میں اور بہت بہکے ہوئے ہیں سیدھی راہ سے ف ۱۷۶

(۴۷۱) **اذان کے ساتھ استہزاء** یعنی جب اذان کہتے ہو تو اُس سے جلتے ہیں اور ٹھٹھا کرتے ہیں، جو ان کی کمال حماقت اور بے عقلی کی دلیل ہے۔ کلمات اذان میں خداوند قدوس کی عظمت و کبریاء کا اظہار، توحید کا اعلان، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام انبیاءٔ سابقین اور کتب سماویہ کے مُصدّق ہیں، اُن کی رسالت کا اقرار، نماز جو تمام اوضاع عبودیت کو جامع اور غایت درجہ کی بندگی پر دال ہے، اس کی طرف دعوت، فلاح دارین اور اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی حاصل کرنے کے لئے بلاوا، ان چیزوں کے سوا اور کیا ہوتا ہے پھر ان میں کونسی چیز ہے جو ہنسی اڑانے کے قابل ہو۔ ایسی نیکی اور حق و صداقت کی آواز پر مسخراپن کرنا صرف اُسی شخص کا کام ہو سکتا ہے جس کا دماغ عقل سے یکسر خالی ہو اور جسے نیک و بد کی قطعاً تمیز باقی نہ رہے۔ بعض روایات میں ہے کہ مدینہ میں ایک نصرانی جب اذان میں اشہدانّ محمدارسول اللہ سنتا تو کہتا "قد حرق الکاذب" (جھوٹا جل گیا یا جل جائے) اس کی نیت تو ان الفاظ سے جو کچھ ہو، مگر یہ بات بالکل اس کے حسب حال تھی۔ کیونکہ وہ خبیث جھوٹا تھا اور اسلام کا عروج و شیوع دیکھ کر آتش حسد میں جلا جاتا تھا اتفاقاً ایک شب میں کوئی چھوکری آگ لے کر اُس کے گھر میں آئی۔ وہ اور اس کے اہل و عیال سو رہے تھے ذرا سی چنگاری نادانستہ اُس کے ہاتھ سے گر گئی۔ جس سے سارا گھر مع سونے والوں کے جل گیا۔ اور اس طرح خدا نے دکھلا دیا کہ جھوٹے لوگ دوزخ کی آگ سے پہلے ہی دنیا کی آگ میں کس طرح جل جاتے ہیں۔ اذان کے ساتھ استہزاء کرنے کا ایک اور واقعہ صحیح روایات میں منقول ہے وہ یہ کہ فتح مکہ کے بعد آپ حنین سے واپس ہو رہے تھے۔ راستہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی، چند نوعمر لڑکے جن میں ابو محذورہ بھی تھے۔ اذان کی ہنسی اور نقل کرنے لگے، آپ نے سب کو پکڑ بلوایا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ابو محذورہ کے دل میں خدا نے اسلام ڈال دیا۔ اور حضور نے اُن کو مکہ کا مؤذن مقرر فرما دیا۔ اس طرح خدا کی قدرت نقل سے اصل بن گئی۔

(۱۷۵) **اہل کتاب کی مسلمانوں سے ضد کی وجہ** کسی کام پر طعن کرنا یا ہنسی اڑانا دو وجہ سے ہو سکتا ہے یا تو وہ کام ہی قابل استہزاء ہو۔ یا کام کرنے والے کی حالت تمسخر کے لائق ہو۔ پچھلی آیت میں بتلا دیا گیا کہ اذان کوئی ایسی چیز نہیں جس پر بجز پرلے درجہ کے احمق اور خفیف العقل کے کوئی شخص طعن یا استہزاء کر سکے۔ اس آیت میں اذان دینے والوں کے مقدس حالات پر بعنوان سوال متنبہ کیا گیا ہے۔ یعنی استہزاء کرنے والے جو خیر سے اہل کتاب اور عالم شرائع ہونے کا بھی دعویٰ رکھتے ہیں وہ ذرا سوچ کر انصاف سے بتائیں کہ مسلمانوں سے ان کو اتنی ضد کیوں ہے اور کیا ایسی بُرائی وہ ہماری طرف دیکھتے ہیں جو اُن کے زعم میں لائق استہزاء ہو۔ بجز اس کے کہ ہم اُس خدائے وحدہ لاشریک لہ پر اور اس کی اُتاری ہوئی تمام کتابوں اور اُس کے بھیجے ہوئے تمام پیغمبروں پر صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں۔ اور اس کے بالمقابل استہزاء کرنے والوں کا حال یہ ہے کہ نہ خدا کی سچی اور صحیح توحید پر قائم ہیں اور نہ تمام انبیاء و رسل کی تصدیق و تکریم کرتے ہیں۔ اب تم ہی انصاف سے کہو کہ انتہا درجہ کے نافرمان کو خدا کے فرمانبردار بندوں پر آوازہ کسنے اور طعن و تشنیع کرنے کا کہاں تک حق حاصل ہے۔

(۱۷۶) **یہودی مغضوب اور ملعون ہیں** یعنی اگر "ایمان باللہ" پر مستقیم ہونا اور ہر اس چیز کی جو خدا کی طرف سے کسی زمانہ میں نازل ہو سچے دل سے تصدیق کرنا ہی تمہارے زعم میں مسلمانوں کا سب سے بڑا جرم اور سب سے بڑی بُرائی ہے اور اسی وجہ سے تم اُن کو مورد طعن و بلام بناتے ہو۔ تو آؤ کہ میں تم کو ایک ایسی قوم کا پتہ بتلاؤں جو اپنی شرارت اور گندگی کی وجہ سے بدترین خلائق ہے۔ جن پر خدا کی لعنت اور غضب کا اثر آج بھی نمایاں طور پر آشکارا ہے۔ جس کے بہت سے افراد اپنی مکاری اور بے حیائی اور حرص دنیا کی سزا میں بندر اور سور بنائے جا چکے ہیں اور جس نے خدا کی بندگی سے نکل کر شیطان کی غلامی اختیار کر لی۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو یہ بدترین خلائق اور گم کردہ راہ قوم ہی اصلی معنی میں تمہارے طعن و استہزاء کی مستحق ہو سکتی ہے اور وہ خود تم ہی ہو۔

ع

وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَد دَّخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا

اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور حالت یہ ہے کہ کافر ہی آئے تھے اور کافر ہی چلے گئے اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ چھپائے

يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ

ہوئے تھے ف۱۷۷ اور تو دیکھیگا بہتوں کو ان میں سے کہ دوڑتے ہیں گناہ پر اور ظلم اور حرام کھانے پر

لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَ

بہت برے کام ہیں جو کر رہے ہیں ف۱۷۸ کیوں نہیں منع کرتے اُنکے درویش اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور

أَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ

حرام کھانے سے بہت ہی برے عمل ہیں جو کر رہے ہیں ف۱۷۹ اور یہود کہتے ہیں اللہ کا ہاتھ بند ہوگیا ف۱۸۰ اُنہی کے ہاتھ

أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا

بند ہوجاویں ف۱۸۱ اور لعنت ہے انکو اس کہنے پر بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں ف۱۸۲ خرچ کرتا ہے جس طرح چاہے ف۱۸۳ اور اُن میں بہتوں کو بڑھے

مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ

گی اس کلام سے جو تجھ پر اُترا تیرے رب کی طرف سے شرارت اور انکار ف۱۸۴ اور ہم نے ڈال رکھی ہے اُن میں دشمنی اور بیر

إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ

قیامت کے دن تک ف۱۸۵ جب کبھی آگ سُلگاتے ہیں لڑائی کے لئے اللہ اس کو بجھا دیتا ہے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد

فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٤﴾

کرتے ہوئے اور اللہ پسند نہیں کرتا فساد کرنے والوں کو ف۱۸۶

وقف لازم

(۱۷۷) **یہود و نصاریٰ کی سیاہ کاریاں** یہاں اُن ہی استہزاء کرنیوالوں کے بعض مخصوص افراد کا بیان ہے جو غائبانہ تو مذہب اسلام پر طعن و تشنیع کرتے اور مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے تھے، لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا مخلص مسلمانوں سے ملتے تو ازراہ نفاق اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے۔ حالانکہ شروع سے آخر تک ایک منٹ کے لئے بھی انہیں اسلام سے تعلق نہیں ہوا۔ نہ پیغمبر علیہ السلام کے ربانی وعظ و تذکیر کا کوئی اثر انہوں نے قبول کیا۔ کیا محض لفظ ایمان و اسلام زبان سے بول کر وہ خدا کو معاذ اللہ دھوکہ دے سکتے ہیں۔ اگر اُس "عالم الغیب والشہادۃ" کی نسبت جو ہر قسم کے ضمائر و سرائر پر مطلع ہے اُن کا گمان یہ ہو کہ محض لفظی ایمان سے اُسے خوش کر لیں گے تو اس سے بڑھ کر کونسی حرکت قابل استہزاء و تمسخر ہو سکتی ہے۔ گویا اس آیت سے یہود و نصاریٰ کے ان مضحکہ انگیز افعال و حرکات کا بیان شروع ہوا۔ جن پر متنبہ کئے جانے کے بعد مسلمانوں کا استہزاء کرنے کے بجائے اُنہیں خود اپنا استہزاء کرنا چاہئے۔ اگلی آیات میں بھی اسی مضمون کی تتمیم و تکمیل ہے۔

(۱۷۸) غالباً "اثم" سے لازمی اور "عدوان" سے متعدی گناہ مُراد ہیں۔ یعنی ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ بہت شوق اور رغبت سے ہر قسم کے گناہوں کی طرف جھپٹتے ہیں۔ خواہ ان کا اثر اپنی ذات تک محدود ہو یا دوسروں تک پہنچے۔ جن کی اخلاقی حالت ایسی زبوں ہو اور حرام خوری اُن کا شیوہ ٹھہر گیا ہو، اُن کی بُرائی میں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔ یہ تو اُن کے عوام کا حال تھا۔ آگے خواص کا بیان کیا گیا ہے۔

(۱۷۹) **یہودی علماء کو سرزنش** جب خدا کسی قوم کو تباہ کرتا ہے تو اس کے عوام گناہوں اور نافرمانیوں میں غرق ہو جاتے ہیں اور اس کے خواص یعنی درویش اور علماء گونگے شیطان بن جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کا حال یہی ہوا کہ لوگ عموماً دنیوی لذات و شہوات میں منہمک ہو کر خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال اور اس کے قوانین و احکام کو بُھلا بیٹھے۔ اور جو مشائخ اور علماء کہلاتے تھے انہوں نے "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کا فریضہ ترک کر دیا۔ کیونکہ دنیا کی حرص اور اتباع شہوات میں وہ اپنے عوام سے بھی آگے تھے۔ مخلوق کا خوف یا دنیا کا لالچ حق کی آواز بلند کرنے سے مانع ہوتا تھا۔ اسی سکوت اور مداہنت سے پہلی قومیں تباہ ہوئیں۔ اسی لئے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کو قرآن و حدیث کی بے شمار نصوص میں بہت ہی سخت تاکید و تہدید کی گئی ہے کہ کسی وقت اور کسی شخص کے مقابلہ میں اس "فرض امر بالمعروف" کے ادا کرنے سے تغافل نہ برتیں۔

(۱۸۰) **حق تعالیٰ کی شان میں یہودیوں کی گستاخیاں** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اہل کتاب کے قلوب اُنکی شرارت، کفر و طغیان، بدکاری، حرامخوری وغیرہ کی ممارست سے اس قدر مسخ ہو گئے تھے کہ بارگاہ ربوبیت میں گستاخی کرنے سے بھی اُن کو کچھ باک نہ ہوتا تھا، خداوند قدوس کا رتبہ اُنکے یہاں ایک معمولی انسان کی حیثیت سے زیادہ نہ رہا تھا۔ حق تعالیٰ کی جناب میں بے تکلف ایسے واہی تباہی کلمات بک دیتے تھے جنہیں سُن کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں، کبھی کہتے ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء کبھی یہ الفاظ منہ سے نکلتے ید اللہ مغلولۃ (خدا کا ہاتھ بند ہو گیا) اس سے مراد یا تو وہی ہو گی جو ان اللہ فقیر سے تھی کہ خدا معاذ اللہ تنگدست ہو گیا۔ اس کے خزانہ میں کچھ رہا نہیں اور یا "غل ید" کنایہ بخل و امساک سے ہو لعیاذ باللہ، بہر حال کوئی معنی لو، اس کلمۂ کفر کا منشاء یہ تھا کہ جب تمرد و طغیان کی پاداش میں حق تعالیٰ نے ان ملاعین پر ذلت و نکبت، ضیق عیش، بدحالی، اور تنگ میدانی مسلط فرما دی تو بجائے اس کے کہ اپنی سیہ کاریوں اور شرارتوں پر متنبہ اور نادم ہوتے، اُلٹے حق تعالیٰ کی جناب میں گستاخیاں کرنے لگے۔ شاید یہ خیال ہوا ہو گا کہ ہم تو پیغمبروں کی اولاد بلکہ خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے تھے۔ پھر یہ کیا معاملہ ہونے لگا کہ آج بنی اسمٰعیل تو دنیا میں پھیلتے جا رہے ہیں۔ زمینی فتوحات اور آسمانی برکات اُن پر کشادہ کر دی گئی ہیں اور ہم بنی اسرائیل کہ خدا صرف ہمارا اور ہم اس کے تھے۔ اس طرح ذلیل و مغلوب اور تنگ حال ہو کر در بدر بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ہم تو وہی اسرائیل کی اولاد اور "ابناء اللہ واحباءہ" آج بھی ہیں جو پہلے تھے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ جس خدا کے ہم اولاد اور محبوب تھے (معاذ اللہ) اس کے خزانہ میں کمی آ گئی یا آج کل بخل و امساک نے اس کا ہاتھ بند کر دیا ہے۔ احمق اتنا نہ سمجھے کہ حق تعالیٰ کے خزائن تو لامحدود اور اُس کے کمالات غیر متبدل اور غیر متناہی ہیں۔ اگر معاذ اللہ اس کے خزانہ میں کچھ نہ رہتا یا مخلوق کی تربیت و اعانت سے وہ ہاتھ کھینچ لیتا تو دنیا کا نظام کس طرح قائم رہ سکتا تھا اور جو روز افزوں عروج و فروغ پیغمبر علیہ السلام اور اُن کے رفقا کا تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ یہ کس کے خزانہ اور دست کرم کا رہین منت ہوتا۔ لہٰذا تم کو سمجھ لینا چاہئے کہ اُس کا ہاتھ بند نہیں ہوا۔ البتہ گستاخیوں اور شرارتوں کی نحوست سے خدا کی جو لعنت اور پھٹکار تم پر پڑی ہے اُس نے تمہارے حق میں خدا کی زمین باوجود وسعت کے تنگ کر دی ہے اور آئندہ اور زیادہ تنگ ہونیوالی ہے۔ اپنی تنگ حالی کو خدا کی تنگدستی سے منسوب کرنا تمہاری انتہائی سفاہت ہے۔

(۱۸۱) یہ دعا کے رنگ میں پیشین گوئی یا ان کی حالت واقعی کی خبر دی گئی ہے۔ چنانچہ واقع میں بخل و جبن نے اُن کے ہاتھ بالکل بند کر دیئے تھے۔

(۱۸۲) **حق تعالیٰ کے لئے اعضائے جسمانی کی نسبت** حق تعالیٰ کے لئے جہاں ہاتھ پاؤں، آنکھ وغیرہ نعوت ذکر کی گئی ہیں

ان سے بھول کر بھی یہ وہم نہ ہونا چاہیئے کہ وہ معاذ اللہ مخلوق کی طرح جسم اور اعضائے جسمانی رکھتا ہے۔ بس جس طرح خدا کی ذات اور وجود، حیات، علم، وغیرہ تمامی صفات کی کوئی نظیر اور مثال اور کیفیت اس کے سوا بیان نہیں ہو سکتی سے اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم ؎ وز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم، منزل تمام گشت و بپایاں رسید عمر ؎ ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم اسی طرح ان نعوت و صفات کو خیال کرو۔ خلاصہ یہ کہ جیسے خدا کی ذات بے چون و بیچگون ہے۔ اس کے سمع، بصر، ید وغیرہ نعوت و صفات کے معانی بھی اُس کی ذات اور شان اقدس کے لائق اور ہمارے کیف وکم اور تعبیر و بیان کے احاطہ سے بالکل وراء الوراء ہیں لیس کمثلہ شیٔ وھو السمیع البصیر (شوریٰ۔ رکوع ۲) حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے ان آیات پر جو فائدہ لکھا ہے اُس میں دو ہاتھوں سے مراد "مہر" کا اور "قہر" کا ہاتھ لیا ہے۔ یعنی آج کل خدا کی مہر کا ہاتھ "اُمتہ محمدیہ" پر اور قہر کا بنی اسرائیل پر کھلا ہوا ہے۔ جیسا کہ اگلی آیتوں میں اشارہ فرمایا۔

(۱۸۳) یعنی اس کو وہ ہی خوب جانتا ہے کہ کس وقت، کس پر، کس قدر خرچ کیا جائے۔ کبھی ایک وفادار کو امتحان یا اصلاح حال کی غرض سے تنگی اور عسرت میں مبتلا کر دیتا ہے اور کبھی اس کی وفاداری کے صلہ میں نعمائے آخرت سے پہلے دنیوی برکات کے دروازے بھی کھول دیتا ہے۔ اس کے بالمقابل ایک مجرم متمرد پر کبھی آخرت کی سزا سے پہلے تنگ حالی، ضیق عیش اور مصائب و آفات دنیوی کی سزا بھیجتا ہے۔ اور کسی وقت دنیوی ساز و سامان کو فراخ کر کے مزید مہلت دیتا ہے کہ یا خدا کے احسانات سے متاثر ہو کر اپنے فسق و فجور پر کچھ شرمائے اور یا اپنی شقاوت کا پیمانہ پوری طرح لبریز کر کے انتہائی سزا کا مستحق ہو ان مختلف احوال و اغراض اور متنوع حکمتوں کی موجودگی میں کسی شخص کے مقبول و مردود ہونے کا فیصلہ خدا کی اطلاع یا قرائن و احوال خارجیہ کی بناء پر کیا جاسکتا ہے۔ جس طرح ایک چور کا ہاتھ کاٹا جائے، یا ڈاکٹر کسی مریض کا ہاتھ کاٹے، دونوں کی نسبت ہم احوال خارجیہ اور قرائن سے سمجھ لیتے ہیں کہ ایک بطور سزا اور دوسرا از راہ شفقت و علاج کاٹا گیا ہے۔

(۱۸۴) اُن کی گستاخی کا جواب دیا جا چکا ہے، لیکن قرآن کے ایسے حکیمانہ جوابات سے ان معاندین اور سفہاء کو تسکین نہیں ہوگی بلکہ کلام الٰہی سُن کر شرارت اور انکار میں اور زیادہ ترقی کریں گے۔ اگر غذائے صالح ایک بیمار کے معدہ میں پہنچ کر اُس کے مرض کو زیادہ کر دیتی ہے تو اس میں غذا کا قصور نہیں۔ مریض کے مزاج کی خرابی ہے۔

(۱۸۵) اگرچہ قریب میں خاص یہود کا مقولہ نقل کیا تھا۔ لیکن "القینا بینھم" سے مراد غالباً وہ اور اُن کے بھائی بند سب ہیں یعنی یہود و نصاریٰ سب اہل کتاب کا حال بیان فرمایا ہے جیسا کہ پہلے اسی سورۃ میں گذر چکا اور اگلی آیت میں بھی سب اہل کتاب کو خطاب فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جوں جوں اُن کی شرارت اور انکار کو ترقی ہوگی اُسی قدر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں اور منصوبے گانٹھیں گے اور لڑائی کی آگ سُلگانے کے لئے تیار ہوں گے۔ لیکن اُن کے آپس میں پھوٹ پڑ چکی ہے جو مٹ نہیں سکتی۔ اس سبب سے اسلامی برادری کے خلاف اُن کی جنگی تیاریاں کامیاب نہیں ہوئیں۔

(۱۸۶) **اہل کتاب کی فتنہ پروری** اس سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام میں جب تک باہمی محبت اور اُخوت مستحکم رہے گی اور رشد و صلاح کے طریق پر گامزن ہو کر فتنہ اور فساد سے مجتنب رہنے کا اہتمام رہے گا جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھا، اس وقت تک اہل کتاب کی سب کوششیں اُنکے مقابلہ میں بیکار ثابت ہوں گی۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۶۵

اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور ڈرتے تو ہم دور کر دیتے اُن سے اُن کی بُرائیاں اور اُن کو داخل کرتے نعمت کے باغوں میں ۱۸۷

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ

اور اگر وہ قائم رکھتے توریت اور انجیل کو اور اس کو جو کہ نازل ہوا اُن پر اُنکے رب کی طرف سے ف۱۸۸ تو کھاتے اپنے

فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾

اُوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے ف۱۸۹ کچھ لوگ اُن میں ہیں سیدھی راہ پر ف۱۹۰ اور بہت سے اُن میں بُرے کام کر رہے ہیں

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ

اے رسول پہنچا دے جو تجھ پر اُترا تیرے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام اور

اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ

اللہ تجھ کو بچالے گا لوگوں سے بیشک اللہ راستہ نہیں دکھلاتا قوم کفار کو ف۱۹۱ کہہ دے اے کتاب والو

لَسْتُمْ عَلٰى شَىْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ

تم کسی راہ پر نہیں جب تک نہ قائم کرو توریت اور انجیل کو اور جو تم پر اُترا تمہارے رب کی طرف سے ف۱۹۲ اور

لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ

اُن میں بہتوں کو بڑھیگی اُس کلام سے جو تجھ پر اُترا تیرے رب کی طرف سے شرارت اور کفر سو تو افسوس نہ کر اس قوم

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصَّابِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

کفار پر ف۱۹۳ بیشک جو مسلمان ہیں اور جو یہودی ہیں اور فرقہ صابی اور نصاریٰ جو کوئی ایمان لاوے اللہ پر

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور روز قیامت پر اور عمل کرے نیک نہ اُن پر ڈر ہے نہ وہ غمگین ہونگے ف۱۹۴

(۱۸۷) یعنی باوجود ایسے شدید جرائم اور سخت شرارتوں کے اگر اب بھی اہل کتاب اپنے رویہ سے تائب ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو دروازہ توبہ کا بند نہیں ہوا۔ حق تعالیٰ کمال فضل و رحمت سے اُن کو اُخروی و دنیوی نعمتوں سے سرفراز فرما دیتا۔ اس کی رحمت بڑے سے بڑے مجرم کو بھی جب وہ شرمسار اور معترف ہو کر آئے مایوس نہیں کرتی۔

(۱۸۸) **قرآن پر عمل تورات و انجیل پر عمل ہے** یعنی قرآن کریم جو توراۃ و انجیل کے بعد اُن کی تنبیہ اور ہدایت کے لئے نازل ہوا۔ اس کو قائم کرتے۔ کیونکہ اس کی تسلیم کے بدون تورات و انجیل کی بھی صحیح معنی میں اقامت نہیں ہو سکتی بلکہ تورات و انجیل اور جملہ کتب سماویہ کی اقامت کا مطلب ہی اب یہ ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم اور پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم جو کتب سابقہ کی پیشین گوئیوں کے مطابق بھیجے گئے ہیں۔ اُن کو قبول کیا جائے گویا اقامت تورات و انجیل کا حوالہ دے کر آگاہ فرما دیا کہ اگر قرآن کو انہوں نے قبول نہ کیا تو اس کے معنی یہ ہی ہیں کہ اپنی کتابوں کے قبول کرنے سے بھی منکر ہو گئے۔

(۱۸۹) یعنی تمام ارضی و سماوی برکات سے اُن کو متمتع کیا جاتا۔ اور ذلت بدحالی اور ضیق عیش کی جو سزا اُن کے عصیان و تمرد پر دی گئی تھی وہ اٹھالی جاتی۔

(۱۹۰) یہ وہ معدود افراد ہیں جنہوں نے فطری سعادت سے توسط و اعتدال کی راہ اختیار کی اور حق کی آواز پر لبیک کہا۔ مثلاً عبداللہ

بن سلام اور ملک حبشہ نجاشی وغیرہ رضی اللہ عنہم۔

(۱۹۱) **آنحضرت ﷺ کو تبلیغ کا حکم اور وعدہ حفاظت** پچھلی آیات میں اہل کتاب کی شرارت، کفر اور سیہ کاریوں کا ذکر کر کے تورات انجیل، قرآن اور کل کتب سماویہ کی اقامت کی ترغیب دی گئی تھی۔ آئندہ قل یا اھل الکتاب لستم علی شیء سے اہل کتاب کے مجمع میں اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ اس "اقامت" کے بدون تمہاری مذہبی زندگی بالکل صفر اور لاشے محض ہے۔ "یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک" الخ میں اسی دوٹوک اعلان کے لئے حضور کو تیار کیا گیا ہے۔ یعنی آپ پر جو کچھ پروردگار کی طرف سے اُتارا جائے خصوصاً اس طرح کے فیصلہ کُن اعلانات، آپ بے خوف وخطر اور بلا تامل پہنچاتے رہیے۔ اگر بفرض محال کسی ایک چیز کی تبلیغ میں بھی آپ سے کوتاہی ہوئی تو بحیثیت رسول (خدائی پیغامبر) ہونے کے رسالت و پیغام رسانی کا جو منصب جلیل آپ کو تفویض ہوا ہے، سمجھا جائیگا کہ آپ نے اُس کا حق کچھ بھی ادا نہ کیا۔ بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فریضہ تبلیغ کے انجام دہی پر بیش از بیش ثابت قدم رکھنے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی موثر عنوان نہ ہوسکتا تھا۔ آپ نے بیس بائیس سال تک جس بے نظیر اولوالعزمی، جانفشانی، مسلسل جدّوکد اور صبر واستقلال سے فرض رسالت و تبلیغ کو ادا کیا، وہ اس کی واضح دلیل تھی کہ آپ کو دنیا میں ہر چیز سے بڑھ کر اپنے فرض منصبی (رسالت و بلاغ) کی اہمیت کا احساس ہے۔ حضور کے اس احساس قوی اور تبلیغی جہاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے وظیفہ تبلیغ میں مزید استحکام وتثبت کی تاکید کے موقع پر موثر ترین عنوان یہی ہوسکتا تھا کہ حضور کو یا ایھا الرسول سے خطاب کر کے صرف اتنا کہہ دیا جائے کہ اگر بفرض محال تبلیغ میں ادنیٰ سی کوتاہی ہوئی تو سمجھو کہ آپ اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ اور ظاہر ہے کہ آپ کی تمامتر کوششوں اور قربانیوں کا مقصد وحید یہی یہ تھا کہ آپ خدا کے سامنے فرض رسالت کی انجام دہی میں اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی حاصل فرمائیں لہٰذا یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں کہ کسی ایک پیغام کے پہنچانے میں بھی ذرا سی کوتاہی کریں۔ عموماً یہ تجربہ ہوا ہے کہ فریضہ تبلیغ ادا کرنے میں انسان چند وجوہ سے مقصر رہتا ہے۔ یا تو اُسے اپنے فرض کی اہمیت کا کافی احساس اور شغف نہ ہو۔ یا لوگوں کی عام مخالفت سے نقصان شدید پہنچنے یا کم از کم بعض فوائد کے فوت ہونے کا خوف ہو اور یا مخاطبین کے عام تمرد وطغیان کو دیکھتے ہوئے جیسا کہ پچھلی اور اگلی آیات میں اہل کتاب کی نسبت بتلایا گیا ہے، تبلیغ کے مثمر اور منتج ہونے سے مایوسی ہو، پہلی وجہ کا جواب یا ایھا الرسول سے فما بلغت رسالتہ تک، دوسری کا واللہ یعصمک من الناس میں، اور تیسری کا ان اللہ لا یھدی القوم الکفرین میں دے دیا گیا۔ یعنی تم اپنا فرض ادا کئے جاؤ خدا تعالیٰ آپ کی جان اور عزت وآبرو کی حفاظت فرمانے والا ہے وہ تمام روئے زمین کے دشمنوں کو بھی آپ کے مقابلہ پر کامیابی کی راہ نہ دکھلائیگا، باقی ہدایت وضلالت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ایسی قوم جس نے کفر وانکار ہی پر کمر باندھ لی ہے اگر راہ راست پر نہ آئی تو تم غم نہ کرو اور نہ مایوس ہو کر اپنے فرض کو چھوڑو۔ نبی کریم ﷺ نے اس ہدایت ربانی اور آئین آسمانی کے موافق اُمّت کو ہر چھوٹی بڑی چیز کی تبلیغ کی۔ نوع انسانی کے عوام وخواص میں سے جو بات، جس طبقہ کے لائق اور جس کی استعداد کے مطابق تھی، آپ نے بلاکم وکاست اور بے خوف وخطر پہنچا کر خدا کی حجت بندوں پر تمام کر دی، اور وفات سے دو ڈھائی مہینے پہلے حجۃ الوداع کے موقع پر، جہاں چالیس ہزار سے زائد خادمانِ اسلام اور عاشقان تبلیغ کا اجتماع تھا، آپ نے علیٰ رؤس الاشہاد اعلان فرما دیا کہ "اے خدا تو گواہ رہ میں (تیری امانت) پہنچا چکا"۔

(۱۹۲) یعنی کل کتب سماویہ جن کا خاتم اور مہیمن قرآن کریم ہے۔ پچھلے رکوع میں اس آیت کی تفسیر گذر چکی۔

(۱۹۳) یعنی اس غم اور افسوس میں پڑ کر تنگدل نہ ہوں اپنا فرض امن واطمینان سے ادا فرماتے رہیں۔

(۱۹۴) **فلاح و کامیابی کا دائمی معیار** یعنی جو قوم مسلمان کہلاتی ہے۔ یا یہود یا نصاریٰ یا صابی (یا اور کچھ تمثیلاً چند مشہور مذاہب کا ذکر کیا گیا) کوئی شخص اِن ناموں کی بدولت یا نسل، رنگ، پیشہ، وطن وغیرہ احوال و خصائص کے لحاظ سے حقیقی فلاح اور دائمی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ کامیاب اور مامون و مصئون ہونے کا ایک اور صرف ایک معیار ہے، یعنی ایمان و عمل صالح، جس قوم کو اپنے مقرب الٰہی یا کامیاب ہونے کا دعویٰ ہو وہ اسی کسوٹی پر اپنے کو کس کر دیکھ لے۔ اگر اس میں کھری اُترے تو بے خوف و خطر مفلح اور کامیاب ہے۔ ورنہ ہر وقت اپنے کو خدا کے غضب و قہر کے نیچے سمجھے۔ پچھلی آیات میں خاص اہل کتاب کو تبلیغ تھی اس آیت میں تمام اقوام و ملل کے سامنے بلا رورعایت ایسا عجیب و غریب، معقول اور منصفانہ قانون پیش کیا گیا ہے جس کے بعد کسی سلیم الفطرت انسان کو اسلام کی صداقت اور ہمہ گیری میں شبہ نہیں رہ سکتا۔ ایک شخص جب تک خدا (یعنی اس کے وجود، وحدانیت، صفات کمالیہ، نشانہائے قدرت، تمام احکام و قوانین، کل نائبین و سفراء) پر اور روز جزاء پر ایمان نہ لائے اور نیکی اختیار نہ کرے، کیا عقل سلیم قبول کر سکتی ہے کہ وہ نعیم دائم رضائے حق اور سرورِ ابدی سے ہمکنار ہو سکیگا؟ "ایمان باللہ" کے تحت میں یہ سب چیزیں داخل ہیں۔ فرض کرو ایک شخص روشن دلائل نبوت کی موجودگی میں کسی پیغمبر کی توہین کرتا ہے (اور اُس کو دعوائے نبوت میں جھوٹا کہنا یہی اُس کی توہین ہے) تو کیا کسی حکومت کے سفیر کی توہین اور اس کے صاف و صریح اسناد سفارت کی تکذیب اُس حکومت کی توہین و تکذیب نہیں؟ اسی طرح سمجھ لو کہ جو شخص کسی ایک سچے پیغمبر کی تکذیب کرتا ہے اور اُس کو قبول نہیں کرتا وہ فی الحقیقت خدا کے اُن صاف و صریح نشانات و دلائل کو جھٹلا رہا ہے جو اُس نے تصدیق نبوت کے لئے اُتارے تھے۔ فانهم لا یکذبونك ولکن الظالمین بآیات اللہ یجحدون (انعام رکوع ۴) کیا اللہ کی آیات اور صریح و علانیہ نشانات کو جھٹلانے کے بعد بھی کوئی "ایمان باللہ" کا دعویٰ رہ سکیگا۔ قرآن کریم نے جن تفصیلات کی طرف "ایمان باللہ و عمل صالح" کے اجمالی عنوان سے یہاں اشارہ فرمایا ہے۔ دوسرے مواضع میں وہ شرح و بسط سے مذکور ہیں۔

صابئین کون تھے میرے نزدیک زیادہ صحیح اور قوی قول یہ ہے کہ صابئین عراق میں ایک فرقہ تھا جن کے مذہبی اصول عموماً حکمائے اشراقیین اور فلاسفہ طبیعیین کے اصول سے ماخوذ تھے۔ یہ لوگ روحانیت کے متعلق نہایت غلو رکھتے بلکہ اُن کی پرستش کرتے تھے۔ اُن کا خیال یہ تھا کہ ارواح مجردہ اور مدبرات فلکیہ وغیرہ کی استعانت و استمداد سے ہی ہم رب الارباب (یعنی بڑے معبود) تک پہنچ سکتے ہیں۔ لہٰذا ریاضات شاقہ اور کسر شہوات سے روح میں تجرد اور صفائی پیدا کر کے "عالم روحانیات" کے ساتھ ہم کو اپنا رشتہ پیدا کرنا چاہئے۔ پھر اُن کی خوشنودی اور دستگیری سے خدا تک پہنچ سکتے ہیں۔ اتباع انبیاء کی ضرورت نہیں۔ کواکب کے ارواح مدبرہ اور اسی طرح دوسری روحانیات کو اپنے سے خوش رکھنے کے لئے ہیاکل بناتے تھے اور انہی ارواح کے لئے نماز، روزہ اور قربانی وغیرہ کرتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ حنفاء کے مقابلہ میں صابئین کی جماعت تھی۔ جن کا سب سے بڑا حملہ نبوت اور اُس کے لوازم و خواص پر ہوتا تھا۔ حضرت ابراہیم حنیف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے وقت نمرود کی قوم صابی العقیدہ تھی جس کے رد و ابطال میں خدا کے خلیلؑ نے جانبازی دکھلائی۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَاَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ

ہم نے لیا تھا پختہ قول بنی اسرائیل سے ف۱۹۵ اور بھیجے اُن کی طرف رسول جب لایا اُن کے پاس کوئی رسول

بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِیْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ ۟ۗ وَحَسِبُوْۤا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا

وہ حکم جو خوش نہ آیا اُن کے جی کو تو بہتوں کو جھٹلایا اور بہتوں کو قتل کر ڈالتے تھے ف۱۹۶ اور خیال کیا کہ کچھ خرابی نہ ہوگی سو اندھے ہو گئے

وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۷۱

اور بہرے پھر توبہ قبول کی اللہ نے اُن کی پھر اندھے اور بہرے ہوئے اُن میں سے بہت ف۱۹۷ اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ف۱۹۸

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ

بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا اور مسیح نے کہا ہے کہ اے بنی

اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ

اسرائیل بندگی کرو اللہ کی رب ہے میرا اور تمہارا بیشک جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا سو حرام کی اللہ نے اُس پر

الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝۷۲ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ

جنت اور اُس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کوئی نہیں گنہگاروں کی مدد کرنے والا ف۱۹۹ بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ ہے تین میں کا

ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ایک ف۲۰۰ حالانکہ کوئی معبود نہیں بجز ایک معبود کے اور اگر نہ باز آویں گے اس بات سے کہ کہتے ہیں تو بیشک پہنچیگا اُن میں سے کفر پر قائم

مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۷۳ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۷۴

رہنے والوں کو عذاب دردناک کیوں نہیں توبہ کرتے اللہ کے آگے اور گناہ بخشواتے اس سے اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان ف۲۰۱

(۱۹۵) گذشتہ آیت میں جو معیار قبول عنداللہ کا بیان ہوا تھا یعنی ایمان اور عمل صالح۔ یہاں یہ دکھلانا ہے کہ یہود اس معیار پر کہاں تک پورے اُترتے ہیں۔

(۱۹۶) غلام کی وفاداری کا امتحان اس میں ہے کہ جس بات کو دل نہ چاہے آقا کے حکم سے کر گذرے اور اپنی رائے یا خواہش کو آقا کی مرضی کے تابع بنا دے۔ ورنہ صرف اُن چیزوں کا مان لینا جو مرضی اور خواہش کے موافق ہوں، یہ کونسا کمال ہے۔

(۱۹۷) **یہودیوں کی اللہ سے غداری** یعنی پختہ عہد و پیمان توڑ کر خدا سے غداری کی، اس کے سفراء میں سے کسی کو جھٹلایا، کسی کو قتل کیا۔ یہ تو اُن کے "ایمان باللہ اور عمل صالح" کا حال تھا۔ "ایمان بالیوم الآخر" کا اندازہ اس سے کر لو کہ اس قدر شدید مظالم اور باغیانہ جرائم کا ارتکاب کر کے بالکل بے فکر ہو بیٹھے۔ گویا ان حرکات کا کوئی خمیازہ بھگتنا نہیں پڑے گا۔ اور ظلم و بغاوت کے خراب نتائج کبھی سامنے نہ آئیں گے۔ یہ خیال کر کے خدائی نشانات اور خدائی کلام کی طرف سے بالکل ہی اندھے اور بہرے ہو گئے اور جو نا کردنی کام تھے وہ کیے حتیٰ کہ بعض انبیاء کو قتل اور بعض کو قید کیا۔ آخر خدا تعالیٰ نے اُن پر بخت نصر کو مسلط فرمایا۔ پھر ایک مدت دراز کے بعد بعض ملوک فارس نے بخت نصر کی قید ذلت و رسوائی سے چھڑا کر بابل سے بیت المقدس کو واپس کیا۔ اس وقت ان لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح حال کی طرف متوجہ ہوئے۔ خدا نے توبہ قبول کی۔ لیکن کچھ زمانہ کے بعد پھر وہی شرارتیں سوجھیں اور بالکل اندھے بہرے ہو کر حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے قتل کی جرات کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل پر تیار ہو گئے۔

(۱۹۸) یعنی وہ اگر چہ خدا کے غضب و قہر کی طرف سے اندھے ہو گئے ہیں لیکن خدا اُن کی تمام حرکات کو برابر دیکھتا رہا ہے۔ چنانچہ اُن حرکات کی سزا اب امت محمدیہ کے ہاتھوں سے دلوا رہا ہے۔

(۱۹۹) **نصاریٰ کا کفر و شرک** یہاں سے نصاریٰ کے ایمان باللہ کی کیفیت دکھلائی گئی ہے کہ وہ کہاں تک حقانیت کے اس

معیار پر پورے اُترے۔ اُن کے ایمان باللہ کا حال یہ ہے کہ عقل کے خلاف فطرت سلیمہ کے خلاف اور خود حضرت مسیح کی تصریحات کے خلاف مسیح ابن مریم کو خدا بنا دیا "ایک تین اور تین ایک" کی بھول بھلیاں تو محض برائے نام ہے۔ حقیقۃً سارا زور و قوت صرف حضرت مسیح کی الوہیت ثابت کرنے پر صرف کیا جاتا ہے۔ حالانکہ خود حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے رب ہونے اور دوسرے آدمیوں کی طرح اپنے مربوب ہونے کا علانیہ اعتراف فرما رہے ہیں۔ اور جس شرک میں اُن کی اُمت مبتلا ہونے والی تھی اس کی بُرائی کس زور و شور سے بیان کر رہے ہیں۔ پھر بھی ان اندھوں کو عبرت نہیں ہوتی۔

(۲۰۰) یعنی حضرت مسیح، روح القدس اور اللہ، یا مسیح، مریم اور اللہ تینوں خدا ہیں (العیاذ باللہ) اُن میں کا ایک حصہ دار اللہ ہوا۔ پھر وہ تینوں ایک اور وہ ایک تین ہیں۔ عیسائیوں کا عام عقیدہ یہی ہے اور اس خلاف عقل و بداہت عقیدہ کو عجیب گول مول اور پیچدار عبارتوں سے ادا کرتے ہیں اور جب کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تو اُس کو ایک ماوراء العقل حقیقت قرار دیتے ہیں۔ سچ ہے لن یصلح العطار ما افسد الدھر۔

(۲۰۱) یہ اُسی غفور رحیم کی شان ہے کہ ایسے ایسے باغی اور گستاخ مجرم بھی جب شرمندہ ہو کر اور اصلاح کا عزم کر کے حاضر ہوں تو ایک منٹ میں عمر بھر کے جرائم معاف فرما دیتا ہے۔

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ

نہیں ہے مسیح مریم کا بیٹا مگر رسول گذر چکے اُس سے پہلے بہت رسول ف۲۰۲ اور اُسکی ماں ولی ہے ف۲۰۳ دونوں کھاتے تھے

الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿۷۵﴾ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ

کھانا دیکھ ہم کیسے بتلاتے ہیں اُن کو دلیلیں پھر دیکھ وہ کہاں اُلٹے جا رہے ہیں ف۲۰۴ تو کہدے کیا تم ایسی چیز کی بندگی کرتے ہو اللہ کو چھوڑ

اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۷۶﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا

کر جو مالک نہیں تمہارے بُرے کی اور نہ بھلے کی اور اللہ وہی ہے سننے والا جاننے والا ف۲۰۵ تو کہہ اے اہل کتاب مت مبالغہ کرو

فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا

اپنے دین کی بات میں ناحق کا ف۲۰۶ اور مت چلو خیالات پر اُن لوگوں کے جو گمراہ ہو چکے پہلے اور گمراہ کر گئے بہتوں کو اور بہک گئے

عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿۷۷﴾ لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ

سیدھی راہ سے ف۲۰۷ ملعون ہوئے کافر بنی اسرائیل میں کے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ بیٹے

مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۷۸﴾

مریم کے یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے گذر گئے تھے ف۲۰۸

(۲۰۲) یعنی اسی مقدس و معصوم جماعت کے یہ بھی ایک فرد ہیں، اُنہیں خدا بنا لینا تمہاری سفاہت ہے۔

(۲۰۳) حضرت مریم نبی نہیں تھیں جمہور اُمت کی تحقیق یہی ہے کہ خواتین میں نبوت نہیں آئی۔ یہ منصب رجال ہی کے لئے مخصوص رہا ہے۔ وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم من اھل القریٰ (یوسف، رکوع ۱۲) حضرت مریم بتول بھی ایک ولی بی بی تھیں۔ نبی نہیں۔

(۲۰۴) **الوہیت مسیح و مریم کا ابطال** غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو شخص کھانے پینے کا محتاج ہے وہ تقریباً دنیا کی ہر چیز کا محتاج ہے۔ زمین، ہوا، پانی، سورج، حیوانات حتیٰ کہ میلے اور کھاد سے بھی اُسے استغنا نہیں ہو سکتا۔ غلہ کے پیٹ میں پہنچنے اور ہضم ہونے تک خیال کرو بالواسطہ یا بلاواسطہ کتنی چیزوں کی ضرورت ہے۔ پھر کھانے سے جو اثرات و نتائج پیدا ہونگے ان کا سلسلہ کہاں تک جاتا ہے۔ احتیاج و افتقار کے اس طویل الذیل سلسلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم الوہیت مسیح و مریم کے ابطال کو بشکل استدلال یوں بیان کر سکتے ہیں کہ مسیح و مریم اکل و شرب کی ضروریات سے مستغنی نہ تھے جو مشاہدہ اور تواتر سے ثابت ہے اور جو اکل و شرب سے مستغنی نہ ہو وہ دنیا کی کسی چیز سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ پھر تم ہی کہو کہ جو ذات تمام انسانوں کی طرح اپنی بقاء میں عالم اسباب سے مستغنی نہ ہو وہ خدا کیونکر بن سکتی ہے۔ یہ ایسی قوی اور واضح دلیل ہے جسے عالم و جاہل یکساں طور پر سمجھ سکتے ہیں یعنی کھانا پینا الوہیت کے منافی ہے۔ اگرچہ نہ کھانا اُلوہیت کی دلیل نہیں ورنہ سارے فرشتے خُدا بن جائیں معاذ اللہ۔

(۲۰۵) یعنی جب مسیح کو خدا کہا تو لازم ہے کہ معبود بھی کہو۔ مگر معبود بننا صرف اُسی ذات کے ساتھ مختص ہے جو ہر قسم کے نفع و ضرر کا مالک اور پورا با اختیار ہو۔ کیونکہ عبادت انتہائی تذلل کا نام ہے اور انتہائی تذلل اسی کے سامنے اختیار کر سکتے ہیں جو انتہائی عزت اور غلبہ رکھنے والا، ہر آن سب کی سننے والا اور سب کے احوال کا پوری طرح جاننے والا ہو۔ اس میں تثلیث کے عقیدہ شرکیہ کے ساتھ تمام مشرکین کا رد ہو گیا۔

(۲۰۶) **نصاریٰ کا غلو فی الدین** عقیدہ کا مبالغہ یہ ہے کہ ایک مولود بشری کو خدا بنا دیا اور عمل میں غلو وہ ہے جسے رہبانیت کہتے ہیں۔ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ (الحدید۔ رکوع ۴) یہود کی جو قبائح بیان کی جا چکیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا پرستی میں غرق ہونے کی وجہ سے دین اور دینداروں کی اُن کے یہاں کوئی عظمت و وقعت نہ تھی۔ حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کی اہانت و قتل وغیرہ اُن کا خاص شعار تھا۔ برخلاف اُس کے نصاریٰ نے تعظیم انبیاء میں اسقدر غلو کیا کہ ان میں سے بعض کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ اور ترک دنیا کر کے رہبانیت اختیار کر لی۔

(۲۰۷) یعنی اصل انجیل وغیرہ کتب سماویہ میں اس عقیدہ شرکیہ کا کہیں پتہ نہ تھا۔ بعد میں یونانی بت پرستوں کی تقلید میں پولوس نے ایجاد کیا اسی پر سب چل پڑے اور اسی پر جمے رہے۔ ایسی اندھی تقلید سے نجات کی توقع رکھنا کسی عاقل کو زیبا نہیں۔

(۲۰۸) **یہودیوں پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰؑ کی لعنت** یوں تو تمام کتب سماویہ میں کافروں پر لعنت کی گئی ہے۔ لیکن بنی اسرائیل کے کافروں پر جب وہ عصیان و تمرد میں حد سے گذر گئے کہ نہ مجرم کسی طرح ارتکاب جرائم سے باز آتا تھا اور نہ غیر مجرم مجرم کو روکتا تھا بلکہ سب شیر و شکر ہو کر بے تکلف ایک دوسرے کے ہم پیالہ و ہم نوالہ بنے ہوئے تھے۔ منکرات و فواحش کا ارتکاب کرنے والوں پر کسی طرح کے انقباض، تکدر اور ترشروئی کا اظہار بھی نہ ہوتا تھا۔ تب خدا نے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے ان پر لعنت کی۔ جیسے گناہوں پر اُن کی جسارت حد سے گذر چکی تھی۔ یہ لعنت کی جو ایسے جلیل القدر انبیاء کے توسط سے کی گئی۔ غیر معمولی طور پر تباہ کن ثابت ہوئی۔ غالباً اسی لعنت کے نتیجہ میں اُن میں کے بہت سے افراد ظاہراً و باطناً بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کر دیئے گئے اور باطنی مسخ کا دائرہ تو اس قدر وسیع ہوا کہ ان کے بہت سے لوگ آج بھی اُنہی مسلمانوں کو چھوڑ کر جو خدا کی تمام کتب سماویہ تمام انبیاء کی تصدیق و تعظیم کرتے ہیں مشرکین مکہ سے جو خالص بت پرست اور نبوات وغیرہ سے جاہل محض ہیں، مسلمانوں کے خلاف دوستی گانٹھتے ہیں۔ اگر ان اہل کتاب کو خدا پر، نبی پر اور وحی الٰہی پر واقعی اعتقاد ہوتا

توکیا یہ ممکن تھا کہ اس قوم کی ضد میں جو ان تمام چیزوں کو مکمل طور پر مانتے ہیں بت پرستوں سے ساز باز کرتے۔ یہ بے حسی، بدمذاقی اور خدا پرستوں سے بھاگ کر بُت پرستوں سے دوستی کرنا، اسی لعنت اور پھٹکار کا اثر ہے جس نے انہیں خدا کی رحمت عظیمہ سے کوسوں دور پھینک دیا ہے۔ پچھلی آیات میں اُن کی گذشتہ کفریات اور جرائم کو بیان کر کے غلو فی الدین اور گمراہوں کی کورانہ تقلید سے منع فرمایا تھا تاکہ اب بھی اپنی ملعون حرکات سے تائب ہو کر حق و صداقت کے راستہ پر چلنے کی کوشش کریں۔ اس رکوع میں اُن کی موجودہ حالت پر متنبہ کرتے ہوئے بتلایا کہ جو لعنت داؤد اور مسیح علیہما السلام کی زبانی ہوئی تھی اُس کے آثار آج تک موجود ہیں۔ اہل اللہ اور عارفین سے نفرت و عداوت اور جاہل مشرکوں سے محبّت، یہ کھلی دلیل اس کی ہے۔ کہ اُن کے قلوب خدائی لعنت کے اثر سے بالکل مسوخ ہو چکے ہیں۔ اگر اب بھی انہوں نے اپنی حالت کو نہ سنبھالا اور حق کی طرف رجوع نہ کیا تو ایسی شدید لعنت کے مورد بنیں گے جو خدا تعالیٰ سید الانبیاء خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اُن پر بھیجیگا۔

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۷۹ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ

آپس میں منع نہ کرتے بُرے کام سے جو وہ کر رہے تھے ف۲۰۹ کیا ہی بُرا کام ہے جو کرتے تھے تو دیکھتا ہے ان میں کہ بہت سے لوگ دوستی کرتے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۸۰ وَ

ہیں کافروں سے ف۲۱۰ کیا ہی بُرا سامان بھیجا انہوں نے اپنے واسطے وہ یہ کہ اللہ کا غضب ہوا اُن پر اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں ف۲۱۱ اور

لَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ

اگر وہ یقین رکھتے اللہ پر اور نبی پر اور جو نبی پر اُترا تو کافروں کو دوست نہ بناتے ف۲۱۲ لیکن اُن میں بہت سے لوگ

فٰسِقُوْنَ ۝۸۱ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ

نافرمان ہیں ف۲۱۳ تو پاویگا سب لوگوں سے زیادہ دشمن مسلمانوں کا یہودیوں کو اور مشرکوں کو اور تو پاویگا سب سے نزدیک

مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّ

محبت میں مسلمانوں کے اُن لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس واسطے کہ نصاریٰ میں عالم ہیں اور درویش ہیں اور

اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۸۲

اس واسطے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔

(۲۰۹) **بُرائی سے نہ روکنا بڑا جرم ہے** لا یتناھون کے دو معنی ہو سکتے ہیں (۱) "نہیں رُکتے تھے" کما فی روح المعانی (۲) "نہیں روکتے تھے ایک دوسرے کو" کما ھو المشھور۔ جب بدی کسی قوم میں پھیلے اور کوئی روکنے ٹوکنے والا بھی نہ ہو تو عذاب عام کا اندیشہ ہے۔

(۲۱۰) کافروں سے مراد مشرکین ہیں اور ان آیات کا مصداق یہود مدینہ تھے۔ جنہوں نے مشرکین مکہ کے ساتھ سازش کر کے مسلمانوں سے لڑائی کی ٹھانی تھی۔

(۲۱۱) یعنی جو ذخیرہ اعمال کا مرنے سے پہلے آخرت کے لئے بھیج رہے ہیں وہ ایسا ہے جو اُن کو غضب الٰہی اور عذاب ابدی کا

مستحق بناتا ہے۔

(۲۱۲) "والنبی" سے بعض مفسرین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور بعض نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مراد لیا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر ان یہود کو واقعی یقین حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت اور تعلیمات پر ہوتا تو نبی آخر الزماں کے مقابلہ میں جن کی بشارت خود موسیٰ علیہ السلام دے چکے ہیں، مشرکین سے دوستی نہ کرتے یا یہ کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مخلصانہ ایمان لے آتے تو ایسی حرکت ان سے سرزد نہ ہوتی کہ دشمنان اسلام سے ساز باز کریں۔ اس دوسری تقدیر پر آیت منافقین یہود کے حق میں ہوگی۔

(۲۱۳) خدا کی اور خود اپنے تسلیم کردہ پیغمبر کی نافرمانی کرتے کرتے یہ حالت ہوگئی کہ اب موحدین پر مشرکین کو ترجیح دیتے ہیں۔ افسوس کہ آج ہم بہت سے نام نہاد مسلمانوں کی حالت بھی یہی پاتے ہیں کہ مسلمان اور کفار کے مقابلہ کے وقت کافروں کو دوست بناتے اور انہی کی حمایت و وکالت کرتے ہیں۔

اللھم احفظنا من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ

اور جب سنتے ہیں اُس کو جو اُترا رسول پر تو دیکھے تو اُن کی آنکھوں کو کہ اُبلتی ہیں آنسوؤں سے اس وجہ سے کہ انہوں نے پہچان لیا

الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا

حق بات کو کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے سو تو لکھ ہم کو ماننے والوں کے ساتھ اور ہم کو کیا ہوا کہ یقین نہ لاویں اللہ پر اور اس چیز پر جو پہنچی ہم کو

مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا

حق سے اور توقع رکھیں اِسکی کہ داخل کرے ہم کو رب ہمارا ساتھ نیک بختوں کے پھر اُنکو بدلے میں دیے اللہ نے اس کہنے پر

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ

ایسے باغ کہ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں اُن میں ہی اور یہ ہے بدلا نیکی کرنے والوں کا اور جو لوگ

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا

منکر ہوئے اور جھٹلانے لگے ہماری آیتوں کو وہ ہیں دوزخ کے رہنے والے ف ۲۱۴ اے ایمان والو مت حرام ٹھہراؤ

طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا

وہ لذیذ چیزیں جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کر دیں اور حد سے نہ بڑھو بیشک اللہ پسند نہیں کرتا حد سے بڑھنے والوں کو اور کھاؤ اللہ کے

رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

دیے ہوئے میں سے جو چیز حلال پاکیزہ ہو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو ف ۲۱۵

(۲۱۴) **نصاریٰ یہود اور مشرکین سے بہتر ہیں** ان آیات میں بتلایا گیا کہ یہود کا مشرکین سے دوستی کرنا محض اسلام اور مسلمانوں کی عداوت و بغض کی وجہ سے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جن اقوام سے زیادہ سابقہ پڑتا تھا اُن میں یہ دونوں قومیں یہود اور مشرکین علی الترتیب اسلام و مسلمین کی شدید ترین دشمن تھیں۔ مشرکین مکہ کی ایذاء رسانیاں تو اظہر من الشمس ہیں۔ لیکن ملعون یہود نے بھی کوئی کمینہ سے کمینہ حرکت اُٹھا کر نہیں رکھی۔ حضور کو بے خبری میں پتھر کی چٹان گرا کر شہید کرنا چاہا، کھانے میں زہر دینے کی کوشش کی، سحر اور ٹوٹکے کرائے، غرض غضب اور لعنت پر لعنت حاصل کرتے رہے۔ اِس کے بالمقابل نصاریٰ باوجودیکہ وہ بھی کفر میں مبتلا تھے، اسلام سے جلتے تھے، مسلمانوں کا عروج اُن کو ایک نظر نہ بھاتا تھا، تاہم اُن میں قبول حق کی استعداد ان دونوں گروہوں سے زیادہ تھی، اُن کے دل اسلام اور مسلمانوں سے محبت کرنے کی طرف نسبۃً جلد مائل ہو جاتے تھے اس کا سبب یہ تھا کہ اُس وقت تک "عیسائیوں" میں علم دین کا چرچا دوسری قوموں سے زائد تھا، اپنے طریقہ کے موافق ترک دُنیا اور زاہدانہ زندگی اختیار کرنے والے اُن میں بکثرت پائے جاتے تھے۔ نرم دلی اور تواضع اُن کی خاص صفت تھی۔ جس قوم میں یہ خصال کثرت سے پائی جائیں اُس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ اُس میں قبول حق اور سلامت روی کا مادہ دوسری اقوام سے زیادہ ہو کیونکہ قبول حق سے عموماً تین چیزیں مانع ہوتی ہیں جہل، حُبِّ دنیا، یا حسد و تکبر وغیرہ۔ نصاریٰ میں قسیسین کا وجود جہل کو، رہبان کی کثرت حُبِّ دنیا کو، نرمی دل اور تواضع کی صفت کبر و نخوت وغیرہ کو کم کرتی تھی۔ چنانچہ قیصر روم، مقوقس مصر اور نجاشی ملک حبشہ نے جو کچھ برتاؤ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام رسالت کے ساتھ کیا وہ اس کا شاہد ہے کہ اُس وقت نصاریٰ میں قبول حق اور مودۃ مسلمین کی

صلاحیت نسبتاً دوسری قوموں سے زائد تھی۔ مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر جب ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم نے "حبشہ" کو ہجرت کی اور مشرکین نے وہاں بھی ملک حبشہ کے دربار تک اپنا پروپیگنڈا نہ چھوڑا تو بادشاہ نے ایک روز مسلمانوں کو بلا کر کچھ سوالات کئے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت بھی اُن کا عقیدہ دریافت کیا، حضرت جعفر نے سورہ مریم کی آیات پڑھیں اور اپنا عقیدہ صاف صاف بیان فرمایا۔ بادشاہ بے انتہا متاثر ہوا اور اقرار کیا کہ جو کچھ قرآن نے حضرت عیسیٰ کی نسبت عقیدہ ظاہر کیا ہے، وہ بلا کم و کاست صحیح ہے۔ اُس نے کتب سابقہ کی بشارات کے موافق حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی آخر الزماں تسلیم کیا۔ قصہ طویل ہے۔

عیسائیوں کے وفد پر قرآن کی اثر انگیزی انجام کار ہجرت کے کئی سال بعد ایک وفد جو ستر نو مسلم عیسائیوں پر مشتمل تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں روانہ کیا یہ لوگ جب مدینہ پہنچے اور قرآن کریم کے سماع سے لذت اندوز ہوئے تو کلام الٰہی سُن کر وقف گریہ و بکا ہو گئے۔ آنکھوں سے آنسو اور زبان پر "ربنا آمنا" الخ یہ کلمات جاری تھے۔ ان آیات میں اُسی جماعت کا حال بیان فرمایا ہے۔ قیامت تک کے لئے کوئی خبر نہیں دی گئی کہ ہمیشہ عیسائیوں اور یہود و مشرکین وغیرہ کے تعلقات کی نوعیت اسلام و مسلمین کے ساتھ یہی رہے گی۔ آج جو لوگ عیسائی کہلاتے ہیں اُن میں کتنے قسیسین و رہبان اور متواضع و منکسر المزاج ہیں اور کتنے ہیں جن کی آنکھوں سے کلام الٰہی سُن کر آنسو ٹپک پڑتے ہیں جب اقربھم مودۃ کی علت ہی جو ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ سے بیان کی گئی، موجود نہیں تو معلول یعنی "قرب مودت" کیوں موجود ہو گا۔ بہرحال جو اوصاف عہد نبوی کے عیسائیوں اور یہود و مشرکین کے بیان ہوئے، وہ جب کبھی اور جہاں کہیں جس مقدار میں موجود ہوں گے، اُسی نسبت سے اسلام و مسلمین کی محبت و عداوت کو خیال کر لیا جائے۔

(۲۱۵) **اسلام کا بے نظیر اعتدال** آغاز سورت میں "ایفائے عہود" کی تاکید کے بعد حلال و حرام کا بیان شروع ہوا تھا۔ اُسی ضمن میں خاص خاص مناسبات سے جن کا ذکر موقع بہ موقع ہم کر چکے ہیں، دوسرے مفید مضامین کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ "الشیء بالشیء یذکر" بات میں سے بات نکلتی رہی۔ تمام استطرادی مضامین کو تمام کر کے اس پارہ کے پہلے رکوع سے پھر اصل موضوع بحث کی طرف عود کیا گیا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ اس رکوع سے متصل پہلے رکوع میں جو مضمون گذرا اُس سے بھی رکوع حاضر کا مضمون پوری طرح مربوط ہے۔ کیونکہ پچھلے رکوع میں یہود و نصاریٰ کی جو فضائح بیان کی گئیں سمجھنے والوں کے نزدیک اُن کا خلاصہ دو چیزیں تھیں۔ یعنی یہود کا لذات و شہوات دنیا اور حرام خوری میں انہماک جو "تفریط فی الدین" کا سبب ہوا اور نصاریٰ کا دین میں غلو اور افراط جو آخر کار رہبانیت وغیرہ پر منتہی ہوا۔ بلاشبہ رہبانیت جسے دینداری یا روحانیت کا ہیضہ کہنا چاہئے، نیت اور منشائے اصلی کے اعتبار سے فی الجملہ محمود ہو سکتی تھی اسی لئے ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا کو من وجہ معرض مدح میں پیش کیا گیا۔ لیکن چونکہ اس طرح کا تجرد و ترک دنیا، اُس مقصد عظیم اور قانون قدرت کے راستہ میں حائل تھا جو فاطر عالم نے عالم کی تخلیق میں مرعی رکھا ہے۔ اس لئے وہ عالمگیر مذہب جو ابدی طور پر تمام بنی نوع انسان کی فلاح دارین اور اصلاح معاش و معاد کا متکفل ہو کر آیا ہے، ضروری تھا کہ اس طرح کے مبتدعانہ طریق عبادت پر سختی سے نکتہ چینی کرے۔ کوئی آسمانی کتاب آج تک ایسی جامع، معتدل، فطری تعلیم انسانی ترقیات کے ہر شعبہ کے متعلق پیش نہیں کر سکتی، جو قرآن کریم ان دو آیتوں میں پیش کی ہے

حلال کو حرام نہ کرو ان آیتوں میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو صاف طور پر اس سے روک دیا کہ کسی لذیذ حلال و طیب چیز کو اپنے اُوپر عقیدۃً یا عملاً حرام ٹھہرا لیں۔ نہ صرف یہی بلکہ اُن کو خدا کی پیدا کی ہوئی حلال و طیب نعمتوں سے متمتع ہونے کی ترغیب دی ہے مگر سلبی اور ایجابی دو شرطوں کے ساتھ (۱) اعتداء نہ کریں (حد سے نہ بڑھیں) (۲) اور تقویٰ اختیار کریں (خدا سے ڈرتے رہیں)

اعتداء کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ حلال چیزوں کے ساتھ حرام کا سا معاملہ کرنے لگیں اور نصاریٰ کی طرح رہبانیت میں مبتلا ہو جائیں۔ یا لذائذ و طیبات سے تمتع کرنے میں حد اعتدال سے گذر جائیں۔ حتیٰ کہ لذات و شہوات میں منہمک ہو کر یہود کی طرح حیات دنیا ہی کو اپنا مطمح نظر بنا لیں۔ الغرض غلو و جفا اور افراط و تفریط کے درمیان متوسط و معتدل راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ نہ تو لذائذ دنیوی میں غرق ہونے کی اجازت ہے اور نہ ازراہ رہبانیت مباحات و طیبات کو چھوڑنے کی۔ "ازراہ رہبانیت" کی قید ہم نے اس لئے لگائی کہ بعض اوقات بدنی یا نفسی علاج کی غرض سے کسی مباح سے عارضی طور پر پرہیز کرنا، ممانعت میں داخل نہیں۔ نیز مسلمان تقویٰ کے مامور ہیں جس کے معنی ہیں خدا سے ڈر کر ممنوعات سے اجتناب کرنا۔ اور تجربہ سے معلوم ہے کہ بعض مباحات کا استعمال بعض اوقات کسی حرام یا ممنوع کے ارتکاب کی طرف مفضی ہو جاتا ہے۔ ایسے مباحات کو عہد و قسم یا تقرب کے طور پر نہیں بلکہ بطریق احتیاط اگر کوئی شخص کسی وقت باوجود اعتقاد اباحت ترک کر دے تو یہ رہبانیت نہیں بلکہ ورع و تقویٰ میں شامل ہے۔ حدیث میں ہے۔ لا یبلغ العبد ان یکون من المتقین حتی یدع ما لا بأس بہ حذرا مما بہ بأس (ترمذی) الحاصل ترک اعتداء اور اختیار تقویٰ کی قید کو ملحوظ رکھ کر ہر قسم کی طیبات سے مومن مستفید ہو سکتا ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں ترقیات کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ

نہیں پکڑتا تم کو اللہ تمہاری بیہودہ قسموں پر ف۲۱۶ لیکن پکڑتا ہے اُس پر جس قسم کو تم نے مضبوط باندھا سو اُس کا کفارہ

اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ

کھانا دینا ہے دس محتاجوں کو اوسط درجہ کا کھانا جو دیتے ہو اپنے گھر والوں کو ف۲۱۷ یا کپڑا پہنا دینا دس محتاجوں کو ف۲۱۸ یا ایک گردن آزاد کرنی ف۲۱۹

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ

پھر جس کو میسر نہ ہو تو روزے رکھنے ہیں تین دن کے ف۲۲۰ یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب قسم کھا بیٹھو اور حفاظت رکھو اپنی قسموں کی ف۲۲۱

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَ

اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنے حکم تاکہ تم احسان مانو ف۲۲۲ اے ایمان والو یہ جو ہے شراب اور جوا اور

الْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾

بُت اور پانسے سب گندے کام ہیں ف۲۲۳ شیطان کے سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ ف۲۲۴

(۲۱۶) **بیہودہ قسموں کا بیان** یعنی اُن پر دنیا میں کفارہ نہیں۔ جیسا کہ "یمین منعقدہ" میں واجب ہے "لغو" و بیہودہ قسم کی تفسیر پارہ سیقول کے اواخر میں گذر چکی چونکہ اوپر تحریم طیبات کا ذکر تھا اور تحریم کی ایک قسم "یمین" بھی ہے اس لئے "یمین" کے احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

(۲۱۷) **کفارۂ یمین** یعنی قسم توڑنے کے بعد یہ کفارہ دیا جائیگا۔ کھانا دینے میں اختیار ہے خواہ دس مساکین کو گھر بٹھلا کر کھانا کھلا دے یا صدقۂ فطر کی برابر ہر مسکین کو غلہ یا اُس کی قیمت ادا کر دے۔

(۲۱۸) اس قدر جس سے بدن کا اکثر حصہ ڈھک جائے۔ مثلاً کرتہ اور پاجامہ یا لنگی اور چادر۔

(۲۱۹) یعنی ایک بردہ آزاد کرنا۔ اس میں مومن ہونا شرط نہیں۔

(۲۲۰) یعنی متواتر روزے تین دن کے رکھے اور میسر نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ صاحب نصاب نہ ہو کما فی روح المعانی۔

(۲۲۱) قسموں کی حفاظت یہ ہے کہ بے ضرورت بات بات پر قسمیں نہ کھائیے۔ یہ عادت بھلی نہیں۔ اور اگر قسم کھائی تو تا مقدور پوری کرے۔ اور اگر کسی وجہ سے توڑے تو کفارہ ادا کرے۔ یہ سب چیزیں ~~یمین~~ حفاظت یمین میں داخل ہیں۔

(۲۲۲) کتنا بڑا احسان ہے کہ ہم نے طیبات سے گریز کیا تو اس گریز سے منع فرمایا۔ اور اگر کسی نے غلطی سے طیبات کو اپنے اوپر حرام ہی کر لیا تو اس کو حفاظت یمین کے ساتھ اس سے حلال ہونے کا طریقہ بھی بتلا دیا۔

(۲۲۳) "انصاب" و "ازلام" کی تفسیر اسی سورت کی ابتداء میں "وماذبح علی النصب وان تستقسموا بالازلام" کے تحت میں گذر چکی۔

(۲۲۴) **شراب کی حرمت** اس آیت سے پہلے بھی بعض آیات خمر (شراب) کے بارہ میں نازل ہو چکی تھیں۔ اول یہ آیت نازل ہوئی۔ یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما (بقرہ رکوع ۲۷) گو اس سے نہایت واضح اشارہ تحریم خمر کی طرف کیا جا رہا تھا مگر چونکہ صاف طور پر اس کے چھوڑنے کا حکم نہ تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا اللھم بیّن لنا بیانًا شافیًا اس کے بعد دوسری آیت آئی یا ایھا الذین اٰمنوا لا تقربوا الصلٰوۃ وانتم سکٰرٰی الی آخر الآیۃ (نساء رکوع ۶) اس میں بھی تحریم خمر کی تصریح نہ تھی۔ گو نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت ہوئی اور یہ قرینہ اسی کا تھا کہ غالبًا یہ چیز عنقریب کلیۃً حرام ہونے والی ہے۔ مگر چونکہ عرب میں شراب کا رواج انتہا کو پہنچ چکا تھا اور اس کا دفعۃً چھڑا دینا مخاطبین کے لحاظ سے سہل نہ تھا اس لئے نہایت حکیمانہ تدریج سے اولاً قلوب میں اس کی نفرت بٹھلائی گئی اور آہستہ آہستہ حکم تحریم سے مانوس کیا گیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس دوسری آیت کو سن کر پھر وہ ہی لفظ کہے "اللھم بیّن لنا بیانًا شافیًا" آخر کار "مائدہ" کی یہ آیتیں جو اس وقت ہمارے سامنے ہیں "یا ایھا الذین اٰمنوا" سے "فھل انتم منتھون" تک نازل کی گئیں۔ جس میں صاف صاف بت پرستی کی طرح اس گندی چیز سے بھی اجتناب کرنے کی ہدایت تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ "فھل انتم منتھون" سنتے ہی چلا اٹھے "انتھینا انتھینا" لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے، خم خانے برباد کر دیے۔ مدینہ کی گلی کوچوں میں شراب پانی کی طرح بہتی پھرتی تھی۔ سارا عرب اس گندی شراب کو چھوڑ کر معرفت ربانی اور محبت و اطاعت نبوی کی شراب طہور سے مخمور ہو گیا اور ام الخبائث کے مقابلہ پر حضور کا یہ جہاد ایسا کامیاب ہوا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ جس چیز کو قرآن کریم نے اتنا پہلے اتنی شدت سے روکا تھا، آج سب سے بڑے شراب خوار ملک امریکہ وغیرہ اس کی خرابیوں اور نقصانات کو محسوس کر کے اس کے مٹا دینے پر تلے ہوئے ہیں فللہ الحمد والمنۃ۔

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَٰوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ

شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں دشمنی اور بیر بذریعہ شراب اور جوئے کے اور روکے تم کو اللہ کی یاد سے

وَعَنِ الصَّلَوٰةِ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِن تَوَلَّيْتُمْ

اور نماز سے سو اب بھی تم باز آؤ گے ف ۲۲۵ اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور بچتے رہو پھر اگر تم پھر جاؤ گے

فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَٰغُ الْمُبِينُ ﴿٩٢﴾

تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ صرف پہنچا دینا ہے کھول کر ف ۲۲۶

(۲۲۵) **شیطانی کام** شراب پی کر جب عقل جاتی رہتی ہے تو بعض اوقات شرابی پاگل ہو کر آپس میں لڑ پڑتے ہیں حتٰی کہ نشہ اُترنے کے بعد بھی بعض دفعہ لڑائی کا اثر باقی رہتا ہے اور باہمی عداوتیں قائم ہو جاتی ہیں۔ یہ ہی حال بلکہ کچھ بڑھ کر جوئے کا ہے اُس میں ہار جیت پر سخت جھگڑے اور فساد برپا ہوتے ہیں۔ جس سے شیطان کو اودھم مچانے کا خوب موقع ملتا ہے۔ یہ تو ظاہری خرابی ہوئی اور باطنی نقصان یہ ہے کہ ان چیزوں میں مشغول ہو کر انسان خدا کی یاد اور عبادت الٰہی سے بالکل غافل ہو جاتا ہے اس کی دلیل مشاہدہ اور تجربہ ہے۔ شطرنج کھیلنے والوں ہی کو دیکھ لو۔ نماز تو کیا، کھانے پینے اور گھر بار کی بھی خبر نہیں رہتی۔ جب یہ چیز اس قدر ظاہری و باطنی نقصانات پر مشتمل ہے تو کیا ایک مسلمان اتنا سُن کر بھی باز نہ آئیگا۔

(۲۲۶) اگر کسی چیز کے منافع و مضار کا احاطہ نہ کر سکو تب بھی خدا اور رسول کے احکام کا امتثال کرو اور قانون کی خلاف ورزی سے بچتے رہو۔ اگر نہ بچو گے تو ہمارے پیغمبر تم کو قانون و احکام الٰہی کھول کر پہنچا چکے۔ نتیجہ خلاف ورزی کا خود سوچ لو کیا ہو گا۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا

جو لوگ ایمان لائے اور کام نیک کئے اُن پر گناہ نہیں اُس میں جو کچھ پہلے کھا چکے جبکہ آئندہ کو ڈر گئے اور ایمان لائے اور عمل

الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿٩٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

نیک کئے پھر ڈرتے رہے اور یقین کیا پھر ڈرتے رہے اور نیکی کی اور اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنیوالوں کو ف ۲۲۷ اے ایمان والو

لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ

البتہ تم کو آزماویگا اللہ ایک بات سے اُس شکار میں کہ جس پر پہنچتے ہیں ہاتھ تمہارے اور نیزے تمہارے ف ۲۲۸ تاکہ معلوم کرے اللہ کون اُس سے ڈرتا ہے بن دیکھے ف ۲۲۹

فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنتُمْ

پھر جس نے زیادتی کی اس کے بعد تو اُس کے لئے عذاب دردناک ہے اے ایمان والو نہ مارو شکار جس وقت تم ہو

حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَهُ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ

احرام میں ف ۲۳۰ اور جو کوئی تم میں اُس کو مارے جان کر ف ۲۳۱ تو اُس پر بدلا ہے اُس مارے ہوئے کے برابر مویشی میں سے جو تجویز کریں دو آدمی معتبر تم میں سے

مِّنكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ ۗ

اس طرح سے کہ وہ جانور بدلے کا بطور نیاز پہنچایا جاوے کعبہ تک یا اُس پر کفارہ ہے چند محتاجوں کو کھلانا یا اُس کے برابر روزے تاکہ چکھے سزا اپنے کام کی ف ۲۳۲

عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ ۚ وَمَنْ عَادَ فَيَنتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ﴿٩٥﴾

اللہ نے معاف کیا جو کچھ ہو چکا ف ۲۳۳ اور جو کوئی پھر کریگا اُس سے بدلا لے گا اللہ اور اللہ زبردست ہے بدلا لینے والا ف ۲۳۴

(۲۲۷) **شراب کے بارے میں ایک سوال کا جواب** نہایت صحیح اور قوی احادیث میں ہے کہ جب تحریم خمر کی آیات نازل ہوئیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ اُن مسلمانوں کا کیا حال ہو گا جنہوں نے حکم تحریم آنے سے پہلے شراب پی اور اُسی حالت میں انتقال کر گئے۔ مثلاً بعض صحابہ جو جنگ اُحد میں شراب پی کر شریک ہوئے اور اسی حالت میں شہید ہو گئے کہ پیٹ میں شراب موجود تھی۔ اُس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ عموم الفاظ اور دوسری روایات کو دیکھتے ہوئے ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ زندہ ہوں یا مُردہ

جو لوگ ایمان اور عمل صالح رکھتے ہیں اُن کے لئے کسی مباح چیز کے بوقت اباحت کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خصوصاً جب کہ وہ لوگ عام احوال میں تقویٰ اور ایمان کی خصال سے متصف ہوں۔ پھر ان خصال میں برابر ترقی کرتے رہے ہوں حتیٰ کہ مدارج تقویٰ و ایمان میں ترقی کرتے کرتے مرتبہ احسان تک جا پہنچے ہوں جو ایک مومن کے لئے روحانی ترقیات کا انتہائی مقام ہو سکتا ہے جہاں پہنچ کر حق تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ خصوصی محبت کرتا ہے (وفی حدیث جبریل الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ) پس جو پاکباز صحابہ ایمان و تقویٰ میں عمر گذار کر اور نسبت احسان حاصل کر کے خدا کی راہ میں شہید ہو چکے اُن کی نسبت اس طرح کے خلجان اور توہمات پیدا کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں کہ وہ ایک ایسی چیز کا استعمال کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے ہیں جو اُس وقت حرام نہیں تھی مگر بعد کو حرام ہوئی۔

صحابہ کے فضائل محققین نے لکھا ہے کہ تقویٰ (یعنی مضار دینی سے مجتنب ہونے کے) کئی درجے ہیں اور ایمان و یقین کے مراتب بھی بلحاظ قوت و ضعف متفاوت ہیں تجربہ اور نصوص شرعیہ سے ثابت ہے کہ جس قدر آدمی ذکر و فکر، عمل صالح اور جہاد فی سبیل اللہ میں ترقی کرتا ہے اسی قدر خدا کے خوف اور اس کی عظمت و جلال کے تصور سے قلب معمور اور ایمان و یقین مضبوط و مستحکم ہوتا رہتا ہے مراتب سیر الی اللہ کی اسی ترقی و عروج کی طرف اس آیت میں تقویٰ اور ایمان کی تکرار سے اشارہ فرمایا اور سلوک کے آخری مقام "احسان" اور اس کے ثمرہ پر بھی تنبیہ فرما دی۔ اور جن حضرات صحابہ کے متعلق سوال کیا گیا تھا اس کا جواب ایک عام و تام ضابطہ بیان فرما کر ایسے عنوان سے دے دیا گیا جس میں اُن مرحومین کی فضیلت و منقبت کی طرف بھی لطیف اشارہ ہو گیا۔ ذخیرۂ احادیث صحیحہ میں دو موقع ایسے ہیں جہاں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس قسم کا سوال کیا ہے۔ ایک موقع تو یہی "تحریم خمر" کے متعلق ہے اور دوسرا تحویل قبلہ کے وقت سوال کیا گیا تھا کہ یا رسول اللہ جو لوگ حکم تحویل سے پہلے وفات پا گئے اور ایک نماز بھی کعبہ کی طرف نہیں پڑھی اُن کی نمازوں کا کیا حال ہوگا۔ اس پر آیت وما کان اللہ لیضیع ایمانکم ان اللہ بالناس لرؤف رحیم نازل ہوئی۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی دو مسئلے ایسے تھے جن میں صاف صاف دو ٹوک حکم نازل ہونے سے پہلے نہایت ہی واضح آثار و قرائن ایسے موجود تھے جن کو دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم ہر آن نزول حکم صریح کا انتظار کر رہے تھے۔ خمر کے متعلق تو ابھی چند فوائد پہلے ہم ایسی روایات نقل کر چکے ہیں جن سے ہمارے اس دعوے کا کافی سے زائد ثبوت ملتا ہے۔ اور "تحویل قبلہ" کے باب میں قرآن کریم کی آیات قد نریٰ تقلب وجھک فی السماء فلنولینك قبلۃ ترضٰھا جو سیقول کے شروع میں گذریں خبر دے رہی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت منتظر تھے کہ کب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے واضح حالات صحابہ پر مخفی نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لئے تحویل قبلہ کا حکم جب ایک آدمی نے کسی محلہ کی مسجد میں جا کر سُنایا تو سارے نمازی محض خبر واحد کو سُن کر بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پھر گئے۔ حالانکہ بیت المقدس کا استقبال قطعی طور پر انہیں معلوم تھا اور خبر واحد ظنی قطعی کے لئے ناسخ نہ ہو سکتی تھی اس لئے علمائے اصول نے تصریح کی ہے کہ یہ خبر واحد محفوف بالقرائن ہونے کی وجہ سے قطعی سمجھی گئی پس جو قرائن و آثار حتمی طور پر خبر دے رہے تھے کہ "تحریم خمر" یا "تحویل قبلہ" کا حکم امروز فردا میں پہنچنے والا ہے۔ گویا وہ ایک طرح سے صحابہ کو نزول حکم سے پہلے مرضی الٰہی پر فی الجملہ مطلع کر رہے تھے اسی لئے ان دو مسئلوں میں نزول حکم سے قبل کی حالت کے متعلق سوال کرنا محل استبعاد نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً خمر کی نسبت جس کی ممانعت کے نہایت واضح اشارات واثمھما اکبر من نفعھما وغیرہ میں موجود تھے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

(۲۲۸) **احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت** پچھلے رکوع میں "تحریم طیبات" اور اعتداء سے منع فرما کر بعض چیزوں سے اجتناب کا حکم دیا تھا جو دائمی طور پر حرام ہیں، اس رکوع میں بعض ایسی اشیاء کے ارتکاب سے منع کیا گیا ہے، جن کی حرمت

دائمی نہیں۔ بلکہ بعض احوال واوضاع سے مخصوص ہے، یعنی بحالت احرام شکار کرنا، مطلب یہ ہے کہ خدا کی طرف سے مطیع وفرمانبردار بندوں کا یہ امتحان ہے کہ وہ حالت احرام میں جب کہ شکار اُن کے سامنے ہو اور بسہولت اس کے مارنے یا پکڑنے پر بھی قادر ہوں کون ہے جو بن دیکھے خدا سے ڈر کر اُس کے حکم کا امتثال کرتا اور اعتداء (احکام خداوندی سے تجاوز کرنے) کی خدائی سزا سے خوف کھاتا ہے "اصحاب سبت" کا قصہ سورۂ بقر میں گذر چکا، کہ اُن کو حق تعالیٰ نے خاص شنبہ کے دن مچھلی کے شکار کی ممانعت فرمائی تھی۔ مگر انہوں نے مکاری اور حیلہ بازی سے اُس حکم کی مخالفت کی اور حد سے تجاوز کر گئے۔ خدا نے اُن پر نہایت رسوا کن عذاب نازل فرمایا اسی طرح حق تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ کا تھوڑا سا امتحان اس مسئلہ میں لیا کہ حالت احرام میں شکار نہ کریں۔ حدیبیہ کے موقع پر جب یہ حکم بھیجا گیا تو شکار اس قدر کثیر اور قریب تھا کہ ہاتھوں اور نیزوں سے مار سکتے تھے۔ مگر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت کر دکھایا کہ خدا کے امتحان میں اُن کے برابر دنیا کی کوئی قوم کامیاب نہیں ہو سکی۔

(۲۲۹) لیعلم اللہ کے لفظ سے جو حدوث علم باری کا وہم گذرتا ہے اُس کے ازالہ کے لئے پارہ سیقول کے شروع میں الا لنعلم من یتبع الرسل کا فائدہ ملاحظہ کرو۔

(۲۳۰) اس کے متعلق بعض احکام سورۂ مائدہ کے شروع میں گذر چکے۔

(۲۳۱) **احرام میں شکار کرنے کی سزا** جان کر مارنے کا یہ مطلب ہے کہ اپنا محرم ہونا یاد ہو اور یہ بھی مستحضر ہو کہ حالت احرام میں شکار جائز نہیں۔ یہاں صرف "متعمد" کا حکم بیان فرمایا کہ اُس کے فعل کی جزاء یہ ہے اور خدا جو انتقام لیگا وہ الگ رہا۔ جیسا کہ ومن عاد فینتقم اللہ منہ سے تنبیہ فرمائی۔ اور اگر بھول کر شکار کیا تو جزاء تو یہی رہے گی یعنی "ہدی" یا "طعام" یا "صیام" البتہ خدا اس سے انتقامی سزا اٹھالیگا۔

(۲۳۲) حنفیہ کے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر احرام میں شکار پکڑا تو فرض ہے کہ چھوڑ دے۔ اگر مار دیا تو دو صاحب بصیرت اور تجربہ کار معتبر آدمیوں سے اس جانور کی قیمت لگوائے۔ اسی قدر قیمت کا مواشی میں سے ایک جانور لے کر (مثلاً بکری، گائے، اونٹ وغیرہ) کعبہ کے نزدیک یعنی حدود حرم میں پہنچا کر ذبح کرے، اور خود اُس میں سے نہ کھائے۔ یا اسی قیمت کا غلہ لے کر محتاجوں کو فی محتاج صدقۃ الفطر کی مقدار تقسیم کر دے یا جس قدر محتاجوں کو پہنچتا، اُتنے ہی دنوں کے روزے رکھ لے۔

(۲۳۳) یعنی نزول حکم سے پہلے یا اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں کسی نے یہ حرکت کی تھی تو اس سے اب خدا تعرض نہیں کرتا۔ حالانکہ اسلام سے پہلے بھی عرب حالت احرام میں شکار کو نہایت بُرا جانتے تھے اس لئے پر مواخذہ ہونا بیجا نہ تھا کہ جو چیز تمہارے زعم کے موافق جرائم میں داخل تھی اس کا ارتکاب کیوں کیا گیا۔

(۲۳۴) یعنی کوئی مجرم اُس کے قبضہ قدرت سے نکل کر بھاگ سکتا ہے۔ اور نہ مقتضائے عدل وحکمت جو جرائم سزا دینے کے قابل ہیں نہ خدا اُن سے درگذر کرنے والا ہے۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ

حلال ہوا تمہارے لئے دریا کا شکار اور دریا کا کھانا تمہارے فائدہ کے واسطے اور سب مسافروں کے اور حرام ہوا تم پر جنگل کا شکار جب تک تم احرام میں

حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾ جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ

رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تم جمع ہو گے ف ۲۳۵ اللہ نے کر دیا کعبہ کو جو کہ گھر ہے بزرگی والا قیام کا باعث لوگوں کے لئے

وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۚ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

اور بزرگی والے مہینوں کو اور قربانی کو جو نیاز کعبہ کی ہو اور جن کے گلے میں پٹہ ڈال کر لیجاویں کعبہ کو ف ۲۳۶ یہ اس لئے کہ تم جان لو کہ بیشک اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کہ ہے آسمان اور

الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾

زمین میں اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے ف ۲۳۷ جان لو کہ بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے اور بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف ۲۳۸

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ

رسول کے ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا اور اللہ کو معلوم ہے جو تم ظاہر میں کرتے ہو اور جو چھپا کر کرتے ہو ف ۲۳۹ تو کہہ دے کہ برابر نہیں ناپاک اور پاک اگرچہ تجھ

اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا

کو بھلی لگے ناپاک کی کثرت سو ڈرتے رہو اللہ سے اے عقلمندو تاکہ تمہاری نجات ہو ف ۲۴۰ اے ایمان والو مت

تَسْــَٔلُوْا عَنْ اَشْيَاۗءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْــَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ

پوچھو ایسی باتیں کہ اگر تم پر کھولی جاویں تو تم کو بری لگیں اور اگر پوچھو گے یہ باتیں ایسے وقت میں کہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جاوینگی ف ۲۴۱ اللہ نے ان

عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

سے درگذر کی ہے ف ۲۴۲ اور اللہ بخشنے والا تحمل والا ہے ایسی باتیں پوچھ چکی ہے ایک جماعت تم سے پہلے پھر ہو گئے ان باتوں سے منکر ف ۲۴۳

(۲۳۵) **احرام میں دریا کے شکار کی اجازت** حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "احرام میں دریا کا شکار یعنی مچھلی حلال ہے اور دریا کا کھانا یعنی جو مچھلی پانی سے جدا ہو کر مر گئی اس نے نہیں پکڑی وہ بھی حلال ہے۔ فرمایا یہ تمہارے فائدہ کو رخصت دی پھر کوئی نہ سمجھے کہ حج کے طفیل سے حلال ہے فرمایا کہ اور سب مسافروں کے فائدہ کو مچھلی اگرچہ تالاب میں ہو وہ بھی شکار دریا ہے۔ یہ حکم شکار کا معلوم ہوا احرام کے اندر، اور احرام میں قصد ہے مکہ کا اس شہر مکہ اور گرد و پیش میں ہمیشہ شکار مارنا حرام ہے بلکہ شکار کو ڈرانا اور بھگانا بھی۔

(۲۳۶) **کعبہ کے قیاماً للناس ہونے کا مطلب** کعبہ شریف دینی اور دنیوی دونوں حیثیت سے لوگوں کے قیام کا باعث ہے۔ حج وعمرہ تو وہ عبادات ہیں جن کا ادا کرنا براہ راست کعبہ ہی سے متعلق ہے۔ لیکن نماز کے لئے بھی استقبال قبلہ شرط ہے، اس طرح کعبہ لوگوں کی دینی عبادات کے قیام کا سبب ہو گیا۔ پھر حج وغیرہ کے موقع پر تمام بلاد اسلامیہ سے لاکھوں مسلمان جب وہاں جمع ہوتے ہیں تو بے شمار تجارتی سیاسی، اخلاقی، مذہبی اور روحانی فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ خدا نے اس جگہ کو "حرم آمن" بنایا۔ اس لئے انسانوں بلکہ بہت جانوروں تک کو وہاں رہ کر امن نصیب ہوتا ہے۔ عہد جاہلیت میں جبکہ ظلم و خونریزی اور فتنہ و فساد محض معمولی بات تھی ایک آدمی اپنے باپ کے قاتل سے بھی حرم شریف میں تعرض نہ کر سکتا تھا مادی حیثیت سے انسان یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہجاتا ہے کہ اس "وادی غیر ذی زرع" میں اتنی فراط سے سامان خورونوش اور نفیس قسم کے پھل اور میوے کہاں سے کھنچے چلے آتے ہیں یہ سب حیثیات "قیاماً للناس" میں معتبر ہو سکتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ علم الٰہی میں پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا کہ نوع انسان کے لئے اسی جگہ سے عالمگیر اور ابدی ہدایت کا چشمہ پھوٹیگا اور مصلح اعظم سید کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد و مسکن مبارک بننے کا شرف بھی سارے جہان میں سے اسی خاک پاک کو حاصل ہو گا۔ ان سب وجوہ سے کعبہ کو "قیاماً للناس" کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ کعبہ تمام روئے زمین کے انسانوں کے حق میں اصلاح اخلاق، تکمیل روحانیت، اور علوم ہدایت کا مرکزی نقطہ ہے

اور کسی چیز کا قیام اپنے مرکز کے بدون نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ محققین کے نزدیک "قیاماً للناس" کا مطلب یہ ہے کہ کعبہ شریف کا مبارک وجود کل عالم کے قیام اور بقاء کا باعث ہے۔ دنیا کی آبادی اُسی وقت تک ہے۔ جب تک خانہ کعبہ اور اس کا احترام کرنے والی مخلوق موجود ہے۔ جس وقت خدا کا ارادہ یہ ہو گا کہ کارخانہ عالم کو ختم کیا جائے تو سب کاموں سے پہلے اسی مبارک مکان کو جسے "بیت اللہ شریف" کہتے ہیں اٹھا لیا جائیگا، جیسا کہ بنانے کے وقت بھی زمین پر سب سے پہلا مکان یہی بنایا گیا تھا۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ الخ بخاری کی حدیث میں ہے کہ ایک سیاہ فام حبشی (جسے ذوالسویقتین کے لقب سے ذکر فرمایا ہے) عمارت کعبہ کا ایک پتھر اکھیڑ کر ڈال دے گا۔ جب تک خدا کو اس دنیا کا نظام قائم رکھنا منظور ہے کوئی طاقتور سے طاقتور قوم جس کا مقصد کعبہ کو منہدم کرنا ہو اپنے اس ناپاک ارادہ میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اصحاب فیل کا قصہ تو ہر شخص نے سُنا ہے۔ لیکن اُن کے بعد بھی ہر زمانہ میں کتنی قوموں اور شخصوں نے ایسے منصوبے باندھے ہیں اور باندھتے رہتے ہیں۔ یہ محض خدائی حفاظت اور اسلام کی صداقت کا عظیم الشان نشان ہے کہ باوجود سامان و اسباب ظاہرہ کے فقدان کے آج تک کوئی شخص اس ابلیسانہ مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور نہ ہو سکیگا اور جب عمارت کعبہ کے گرا دینے میں قدرت کی طرف سے مزاحمت نہ رہے گی تو سمجھ لو کہ عالم کی ویرانی کا حکم آن پہنچا۔ دنیا کی حکومتیں اپنے دار السلطنت اور قصر شاہی کی حفاظت کے لئے لاکھوں سپاہی کٹوا دیتی ہیں۔ لیکن اگر کبھی خود ہی قصر شاہی کو کسی مصلحت سے تبدیل یا ترمیم کرنا چاہیں تو معمولی مزدوروں سے اُس کے گرا دینے کا کام لے لیا جاتا ہے۔ شاید اسی لئے امام بخاریؒ نے "باب جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاما للناس الآیۃ" میں "ذوالسویقتین" کی حدیث درج کر کے "قیاما للناس" کے اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے جو ہم نقل کر چکے ہیں۔ (نبہ علیہ شیخنا المترجم قدس اللہ روحہ، فی دروس البخاری) بہرحال آیت زیر بحث میں احکام "محرم" بیان فرمانے کے بعد کعبہ شریف کی عظمت و حرمت بیان کرنا مقصود ہے پھر "کعبہ" اور "احرام" کی مناسبت سے "شہر حرام" اور "ہدی" و "قلائد" کا بھی ذکر فرما دیا۔ جیسا کہ اسی سورت کے شروع میں غیر محل الصید وانتم حرم کے ساتھ "لا تحلوا شعائر اللہ ولا الشہر الحرام ولا الہدی ولا القلائد" الخ کو ملحق فرمایا تھا۔ واللہ اعلم۔

(۲۳۷) یعنی کعبہ وغیرہ کے قیاما للناس بنانے میں جن مصالح دینی و دنیوی کی رعایت فرمائی اور بظاہر بالکل خلاف قیاس جو عظیم الشان پیشین گوئی کی گئی وہ اس کی دلیل ہے کہ آسمان و زمین کی کوئی چیز حق تعالیٰ کے غیر محدود علم کے احاطہ سے باہر نہیں ہو سکتی۔

(۲۳۸) یعنی جو احکام حالت احرام یا احترام کعبہ وغیرہ کے متعلق دیے گئے اگر اُن کی عمداً خلاف ورزی کرو گے تو سمجھ لو کہ خدا کا عذاب بہت سخت ہے۔ اور بھول چوک سے کچھ تقصیر ہو جائے پھر کفارہ وغیرہ سے اُس کی تلافی کر لو تو بیشک وہ بڑا بخشنے والا اور مہربان بھی ہے۔

(۲۳۹) پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا کا قانون اور پیغام پہنچا کر اپنا فرض ادا کر دیا۔ اور خدا کی حجت بندوں پر تمام ہو چکی اب ظاہر و باطن میں جیسا عمل کرو گے وہ سب خدا کے سامنے ہے۔ حساب و جزا کے وقت ذرہ ذرہ تمہارے سامنے رکھ دیا جائیگا

(۲۴۰) اس رکوع سے پہلے رکوع میں فرمایا تھا کہ طیبات کو حرام مت ٹھہراؤ بلکہ اُن سے اعتدال کے ساتھ تمتع کرو۔ "اس مضمون کی تکمیل کے بعد خمر وغیرہ چند ناپاک اور خبیث چیزوں کی حرمت بیان فرمائی۔ اُسی سلسلے میں محرم کے شکار کو حرام کیا یعنی جس طرح خمر، میتہ وغیرہ خبیث چیزیں ہیں اسی طرح محرم کے شکار کو سمجھو۔ محرم کی مناسبت سے چند ضمنی چیزوں کا بیان فرما کر کے بعد اب متنبہ فرماتے ہیں کہ طیب اور خبیث یکساں نہیں ہو سکتے۔ تھوڑی چیز اگر طیب و حلال ہو وہ بہت سی خبیث و حرام

چیز سے بہتر ہے عقلمند کو چاہئے کہ ہمیشہ طیب و حلال کو اختیار کرے گندی اور خراب چیزوں کی طرف خواہ وہ دیکھنے میں کتنی ہی زیادہ ہوں اور بھلی لگیں نظر نہ اُٹھائے۔

(۲۴۱) **بے ضرورت سوالات کی ممانعت** پچھلے دو رکوع کا حاصل احکام دینیہ میں غلو اور تساہل سے روکنا تھا یعنی جو طیبات خدا نے حلال کی ہیں اُنکو اپنے اُوپر حرام مت ٹھہراؤ۔ اور جو چیزیں خبیث و حرام ہیں خواہ دائمی طور پر یا خاص احوال و اوقات بس اُن سے پوری طرح اجتناب کرو۔ ان آیات میں تنبیہ فرمادی کہ جو چیزیں شارع نے تصریحاً بیان نہیں فرمائیں اُن کے متعلق فضول اور دور از کار سوالات مت کیا کرو۔ جس طرح تحلیل و تحریم کے سلسلہ میں شارع کا بیان موجب ہدایت و بصیرت ہے۔ اس کا سکوت بھی ذریعہ رحمت و سہولت ہے۔ خدا نے جس چیز کو کمال حکمت و عدل سے حلال یا حرام کر دیا وہ حلال یا حرام ہو گئی اور جس سے سکوت کیا اس میں گنجائش اور توسیع رہی مجتہدین کو اجتہاد کا موقع ملا عمل کرنے والے اس کے فعل و ترک میں آزاد رہے۔ اب اگر ایسی چیزوں کی نسبت خواہ مخواہ کھود کرید اور بحث و سوال کا دروازہ کھولا جائیگا۔ بحالیکہ قرآن شریف نازل ہو رہا ہے اور تشریع کا باب مفتوح ہے۔ تو بہت ممکن ہے کہ سوالات کے جواب میں بعض ایسے احکام نازل ہو جائیں جن کے بعد تمہاری آزادی اور گنجائش اجتہاد باقی نہ رہے۔ پھر یہ سخت شرم کی بات ہو گی کہ جو چیز خود مانگ کر لی ہے اس کو نبھا نہ سکیں۔ سنۃ اللہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب کسی معاملہ میں بکثرت سوال اور کھود کرید کیجائے اور خواہ مخواہ شقوق و احتمالات نکالے جائیں تو اُدھر سے تشدید (سختی) بڑھتی جاتی ہے۔ کیونکہ اس طرح کے سوالات ظاہر کرتے ہیں کہ گویا سائلین کو اپنے نفس پر بھروسہ ہے اور جو حکم ملے گا اُس کے اٹھانے کیلئے وہ بہمہ وجوہ تیار ہیں۔ اس قسم کا دعوٰی جو بندہ کے ضعف و افتقار کے مناسب نہیں، مستحق بنا دیتا ہے کہ اُدھر سے حکم میں کچھ سختی ہو اور جتنا یہ اپنے کو قابل ظاہر کرتا ہے اُسی کے موافق امتحان بھی سخت ہو چنانچہ بنی اسرائیل کے "ذبح بقرہ" والے قصہ میں ایسا ہی ہوا حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو خدا نے تم پر حج فرض کیا ہے ایک شخص بول اٹھا کیا ہر سال یا رسول اللہ فرمایا اگر میں (ہاں) کہدیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا پھر تم ادا نہ کر سکتے۔ جس چیز میں میں تم کو "آزاد" چھوڑوں تم بھی مجھ کو چھوڑ دو ایک حدیث مسلمانوں میں وہ شخص بڑا مجرم ہے جس کے سوال کی بدولت ایسی چیز حرام کی گئی جو حرام نہ تھی۔ بہرحال یہ آیت احکام شرعیہ کے باب میں اس طرح کے دور از کار اور بے ضرورت سوالات کا دروازہ بند کرتی ہے۔ باقی بعض احادیث میں جو یہ مذکور ہے کہ کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جزئی واقعات کے متعلق لغو سوال کرتے تھے اُن کو روکا گیا" وہ ہماری تقریر کے مخالف نہیں۔ ہم "لا تسئلوا عن اشیاء" میں "اشیاء" کو عام رکھتے ہیں جو واقعات و احکام دونوں کو شامل ہے اور "تسؤکم" میں بھی جو بُرا لگنے کے معنی پر مشتمل ہے تعمیم رکھی جائے۔ حاصل یہ ہوگا کہ نہ احکام کے باب میں فضول سوالات کیا کرو اور نہ واقعات کے سلسلہ میں کیونکہ ممکن ہے جو جواب آئے وہ تم کو ناگوار ہو مثلاً کوئی سخت حکم آیا، یا کوئی قید بڑھ گئی، یا ایسے واقعہ کا اظہار ہوا جس سے تمہاری فضیحت ہو، یا بیہودہ سوالات پر ڈانٹ بتلائی گئی، یہ سب احتمالات تسؤکم کے تحت میں داخل ہیں۔ باقی ضروری بات پوچھنے یا شبہ ناشی عن دلیل کے رفع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۲۴۲) یا تو مراد یہ ہے کہ اُن اشیاء سے درگذر کی، یعنی جب خدا نے اُنکے متعلق کوئی حکم نہ دیا تو انسان اُن کے بارہ میں آزاد ہے خدا ایسی چیزوں پر گرفت نہ کرے گا۔ چنانچہ اسی سے بعض علمائے اصول نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اور یا یہ کہ اُن فضول سوالات سے جو پہلے کر چکے ہو اللہ نے درگذر کی آیندہ احتیاط رکھو۔

(۲۴۳) حدیث صحیح میں ہے کہ پہلی قومیں کثرت سوال اور انبیاء سے اختلاف کرنے کی بدولت ہلاک ہوئیں۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّ لَا سَآىٕبَةٍ وَّ لَا وَصِیْلَةٍ وَّ لَا حَامٍ ۙ وَّ لٰكِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

نہیں مقرر کیا اللہ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی ولیکن کافر باندھتے ہیں اللہ پر

الْكَذِبَ ؕ وَ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا

بہتان اور ان میں اکثروں کو عقل نہیں ف۲۴۴ اور جب کہا جاتا ہے ان کو آؤ اسکی طرف جو کہ اللہ نے نازل کیا اور رسول کی طرف تو کہتے ہیں

حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ یٰۤاَیُّهَا

ہم کو کافی ہے وہ جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اگر انکے باپ دادے نہ کچھ علم رکھتے ہوں اور نہ راہ جانتے ہوں تو بھی ایسا ہی کریں گے ف۲۴۵ اے

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا

ایمان والو تم پر لازم ہے فکر اپنی جان کا تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی گمراہ ہوا جبکہ تم ہوئے راہ پر ف۲۴۶ اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے تم سب کو

فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

پھر وہ جتلا دیگا تمکو جو کچھ تم کرتے تھے ف۲۴۷ اے ایمان والو گواہ درمیان تمہارے جبکہ پہنچے کسی کو تم میں موت

حِیْنَ الْوَصِیَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ

وصیت کے وقت دو شخص معتبر ہونے چاہئیں ف۲۴۸ تم میں سے ف۲۴۹ یا دو شاہد اور ہوں تمہارے سوا ف۲۵۰ اگر تم نے سفر کیا ہو ملک میں

فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِیْ

پھر پہنچے تم کو مصیبت موت کی تو کھڑا کرو ان دونوں کو بعد نماز کے ف۲۵۱ وہ دونوں قسم کھاویں اللہ کی اگر تم کو شبہ پڑے کہیں کہ ہم نہیں لیتے قسم

بِهٖ ثَمَنًا وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَ لَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِیْنَ ﴿۱۰۶﴾

کے بدلے مال اگرچہ کسی کو ہم سے قرابت بھی ہو اور ہم نہیں چھپاتے اللہ کی گواہی نہیں تو ہم بیشک گنہگار ہیں ف۲۵۲

(۲۴۴) **جاہلیت کے بعض رسوم و شعائر کا رد** بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حامی یہ سب زمانہ جاہلیت کے رسوم و شعائر سے متعلق ہیں۔ مفسرین نے اُن کی تفسیر میں بہت اختلاف کیا ہے۔ ممکن ہے ان میں سے ہر ایک لفظ کا اطلاق مختلف صورتوں پر ہوتا ہو، ہم صرف سعید بن المسیب کی تفسیر صحیح بخاری سے نقل کرتے ہیں۔ "بحیرہ" جس جانور کا دودھ بتوں کے نام کر دیتے تھے کوئی اپنے کام میں نہ لاتا تھا۔ "سائبہ" جو جانور بتوں کے نام پر ہمارے زمانہ کے سانڈھ کی طرح چھوڑ دیا جاتا تھا۔ "وصیلہ" جو اونٹنی مسلسل مادہ بچہ جنے درمیان میں نر بچہ پیدا نہ ہو اُسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ "حامی" نر اونٹ جو ایک خاص عدد سے جفتی کر چکا ہو اُسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑتے تھے۔ علاوہ اس کے کہ یہ چیزیں شعائر شرک میں سے تھیں، جس جانور کے گوشت یا دودھ یا سواری وغیرہ سے منتفع ہونے کو حق تعالیٰ نے جائز رکھا اُس کی حلت و حرمت پر اپنی طرف سے قیود لگانا، گویا اپنے لئے منصب تشریع تجویز کرنا تھا اور بڑی ستم ظریفی یہ تھی کہ اپنی ان مشرکانہ رسوم کو حق تعالیٰ کی خوشنودی اور قربت کا ذریعہ تصور کرتے تھے اس کا جواب دیا گیا کہ اللہ نے ہرگز یہ رسوم مقرر نہیں کیں۔ ان کے بڑوں نے خدا پر یہ بہتان باندھا اور اکثر بے عقل عوام نے اُسے قبول کر لیا۔ الغرض یہاں تنبیہ کی گئی کہ جس طرح فضول و بیکار سوالات کر کے احکام شرعیہ میں تنگی اور سختی کرانا جرم ہے اس سے کہیں بڑھ کر یہ جرم ہے کہ بدون حکم شارع کے محض اپنی آراء و اہواء سے حلال و حرام تجویز کر لئے جائیں۔

(۲۴۵) **آباء کی اندھی تقلید** | جاہلوں کی سب سے بڑی حجت یہی ہوتی ہے کہ جو کام باپ، دادا سے ہوتا آیا ہے اُس کا خلاف کیسے کریں۔ اُن کو بتلایا گیا کہ اگر تمہارے اسلاف بے عقلی یا بے راہی سے قعرِ ہلاکت میں جا گرے ہوں، تو کیا پھر بھی تم اُن ہی کی راہ چلو گے؟ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "باپ کا حال معلوم ہو کہ حق کا تابع اور صاحبِ علم تھا تو اس کی راہ پکڑے نہیں تو عبث ہے۔" یعنی کیف ما اتفق ہر کسی کی کورانہ تقلید جائز نہیں۔

(۲۴۶) **مسلمانوں کو ایک نصیحت** | یعنی اگر کفار رسوم شرکیہ اور آباء و اجداد کی اندھی تقلید سے باوجود اس قدر نصیحت و فہمائش کے باز نہیں آتے تو تم زیادہ اس غم میں مت پڑو، کسی کی گمراہی سے تمہارا کوئی نقصان نہیں بشرطیکہ تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو۔ سیدھی راہ یہی ہے کہ آدمی ایمان و تقویٰ اختیار کرے، خود بُرائی سے رُکے اور دوسروں کو روکنے کی امکانی کوشش کرے۔ پھر بھی اگر لوگ بُرائی سے نہ رُکیں تو اُس کا کوئی نقصان نہیں۔ اس آیت سے یہ سمجھ لینا کہ جب ایک شخص اپنا نماز روزہ ٹھیک کر لے تو "امر بالمعروف" چھوڑ دینے سے اُسے کوئی مضرت نہیں ہوتی، سخت غلطی ہے لفظ "اہتداء" امر بالمعروف وغیرہ تمام وظائف ہدایت کو شامل ہے۔ اس آیت میں گو روئے سخن بظاہر مسلمانوں کی طرف ہے۔ لیکن اُن کفار کو بھی متنبہ کرنا ہے جو باپ دادا کی کورانہ تقلید پر اڑے ہوئے تھے۔ یعنی اگر تمہارے باپ دادا راہ حق سے بھٹک گئے تو اُن کی تقلید میں اپنے کو جان بوجھ کر کیوں ہلاک کرتے ہو۔ اُنہیں چھوڑ کر تم اپنے عاقبت کی فکر کرو۔ اور نفع و نقصان کو سمجھو۔ باپ دادا اگر گمراہ ہوں اور اولاد اُن کے خلاف راہ حق پر چلنے لگے تو آباؤ اجداد کی یہ مخالفت اولاد کو قطعاً مضر نہیں۔ یہ خیالات محض جہالت کے ہیں کہ کسی حال بھی آدمی باپ دادا کے طریقہ سے قدم باہر نہ رکھے۔ رکھیگا تو ناک کٹ جائے گی۔ عقلمند کو چاہیئے کہ انجام کا خیال کرے۔ سب اگلے پچھلے جب خدا کے سامنے اکھٹے پیش ہونگے تب ہر ایک کو اپنا عمل اور انجام نظر آجائیگا۔

(۲۴۷) یعنی جو گمراہ رہا اور جس نے راہ پائی سب کے نیک و بد اعمال اور اُن کے نتائج سامنے کر دیے جائیں گے۔

(۲۴۸) **وصیت کے احکام** | یعنی بہتر یہ ہے۔ باقی اگر دو نہ ہوں یا معتبر نہ ہوں تب بھی "وصی" بنا سکتا ہے اور گواہ سے مراد یہاں وصی ہے اس کے اقرار و اظہار کو گواہی سے تعبیر فرما دیا۔

(۲۴۹) یعنی مسلمانوں میں سے۔

(۲۵۰) یعنی غیر مسلم۔

(۲۵۱) یعنی نماز عصر کے بعد کہ وہ وقت اجتماع اور قبول کا ہے شاید ڈر کر جھوٹی قسم نہ کھائیں۔ یا کسی نماز کے بعد یا وصی جس مذہب کے ہوں اُن کی نماز کے بعد۔

(۲۵۲) یعنی جب خدا کے پاس سب کو جانا ہے تو جانے سے پہلے سب کام ٹھیک کر لو۔ اسی میں سے ایک اہم کام ضروری اُمور کی وصیت اور اُس کے متعلقات ہیں۔ ان آیات میں وصیت کا بہترین طریقہ تلقین فرمایا ہے۔ یعنی مسلمان اگر مرتے وقت کسی کو اپنا مال وغیرہ حوالہ کرے تو بہتر ہے کہ دو معتبر مسلمانوں کو گواہ کرے۔ مسلمان اگر نہ ملیں جیسے سفر وغیرہ میں اتفاق ہو جاتا ہے، تو دو کافروں کو وصی بنائے۔ پھر اگر وارثوں کو شبہ پڑ جائے کہ ان شخصوں نے کچھ مال چھپا لیا اور وارث دعویٰ کر دیں اور دعوے کے ساتھ شاہد موجود نہ ہوں تو وہ دونوں شخص قسم کھائیں کہ ہم نے نہیں چھپایا اور ہم کسی طمع یا قرابت کی وجہ سے جھوٹ نہیں کہہ سکتے اگر کہیں تو گنہگار ہیں۔

فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰٓ أَنَّهُمَا ٱسْتَحَقَّآ إِثْمًا فَـَٔاخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ ٱلَّذِينَ ٱسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ ٱلْأَوْلَيَٰنِ

پھر اگر خبر ہو جاوے کہ وہ دونوں حق بات دبا گئے تو دو گواہ اور کھڑے ہوں اُن کی جگہ [۲۵۳] اُن میں سے کہ جن کا حق دبا ہے جو سب سے زیادہ قریب ہوں میت کے

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ

پھر قسم کھاویں اللہ کی کہ ہماری گواہی تحقیقی ہے پہلوں کی گواہی سے اور ہم نے زیادتی نہیں کی نہیں تو ہم بیشک

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌ بَعْدَ

ظالم ہیں ف۲۵۴ اس میں امید ہے کہ ادا کریں شہادت کو ٹھیک طرح پر اور ڈریں کہ الٹی پڑیگی قسم ہماری اُن کی قسم

اَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ

کے بعد ف۲۵۵ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور سن رکھو اور اللہ نہیں چلاتا سیدھی راہ پر نافرمانوں کو ف۲۵۶ جس دن اللہ جمع کریگا سب پیغمبروں کو

فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۖ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى

پھر کہیگا تم کو کیا جواب ملا تھا ف۲۵۷ وہ کہیں گے ہم کو خبر نہیں ف۲۵۸ تو ہی ہے چھپی باتوں کو جاننے والا جب کہیگا اللہ ف۲۵۹ اے عیسیٰ

ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي

مریم کے بیٹے یاد کر میرا احسان جو ہوا ہے تجھ پر اور تیری ماں پر ف۲۶۰ جب مدد کی میں نے تیری روح پاک سے تو کلام کرتا تھا لوگوں سے گود

الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ

میں اور بڑی عمر میں اور جب سکھائی میں نے تجھکو کتاب اور تہہ کی باتیں اور توریت اور انجیل اور جب تو بناتا تھا گارے سے

كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ

جانور کی صورت میرے حکم سے پھر پھونک مارتا تھا اُسمیں تو ہو جاتا اُڑنے والا میرے حکم سے اور اچھا کرتا تھا مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے

وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ

اور جب نکال کھڑا کرتا تھا مُردوں کو میرے حکم کر ف۲۶۱ اور جب روکا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے جب تو لیکر آیا اُنکے پاس نشانیاں تو کہنے لگے جو

كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾

کافر تھے اُن میں اور کچھ نہیں یہ تو جادو ہے صریح ف۲۶۲

(۲۵۳) ایک ہو تب بھی مضائقہ نہیں۔

(۲۵۴) **آیاتِ وصیت کی شانِ نزول** یعنی اگر قرائن و آثار سے اوصیاء کی قسم کا جھوٹ ہونا معلوم ہو اور وہ بذریعہ شہادتِ شرعی اپنی سچائی ثابت نہ کر سکیں تو میت کے وارثوں کو قسم دی جائے گی کہ ان کو اوصیاء کے دعوے کی واقعیت کا کوئی علم نہیں اور یہ کہ اُن کی گواہی اوصیاء کی گواہی سے زیادہ احق بالقبول ہے۔ ان آیات کی شان نزول یہ ہے کہ ایک شخص "بدیل" نامی جو مسلمان تھا۔ دو شخصوں "تمیم وعدی" کے ساتھ جو اُس وقت نصرانی تھے۔ بغرض تجارت ملک شام کی طرف گیا شام پہنچ کر بدیل بیمار پڑ گیا۔ اُس نے اپنے مال کی فہرست لکھ کر اسباب میں رکھ دی اور اپنے دونوں رفیقوں کو اطلاع نہ کی۔ مرض جب زیادہ بڑھا تو اُس نے دونوں نصرانی رفقا کو وصیت کی کہ کل سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ انہوں نے سب سامان لاکر وارثوں کے حوالہ کر دیا، مگر چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کا ملمع یا نقش و نگار تھے اُس میں سے نکال لیا۔ وارثوں کو فہرست اسباب میں سے دستیاب ہوئی

انہوں نے اوصیاء سے پوچھا کہ میت نے کچھ مال فروخت کیا تھا یا کچھ زیادہ بیمار رہا کہ معالجہ وغیرہ میں کچھ خرچ ہوا ہو۔ اُن دونوں نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ آخر معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش ہوا۔ چونکہ وارثوں کے پاس گواہ نہ تھے تو اُن دونوں نصرانیوں سے قسم لی گئی کہ ہم نے میت کے مال میں کسی طرح کی خیانت نہیں کی نہ کوئی چیز اُس کی چھپائی۔ آخر قسم پر فیصلہ اُن کے حق میں کر دیا گیا۔ کچھ مدت کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ پیالہ ان دونوں نے مکہ میں کسی سنار کے ہاتھ فروخت کیا ہے۔ جب سوال ہوا تو کہنے لگے کہ ہم نے میت سے خرید لیا تھا۔ چونکہ خریداری کے گواہ موجود نہ تھے اس لئے ہم نے پہلے اس کا ذکر نہیں کیا۔ مبادا ہماری تکذیب کر دی جائے۔ میت کے وارثوں نے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مرافعہ کیا اب پہلی صورت کے برعکس اوصیاء خریداری کے مدعی اور وارث منکر تھے شہادت موجود نہ ہونے کی وجہ سے وارثوں میں سے دو شخصوں نے جو میت سے قریب تر تھے، قسم کھائی کہ پیالہ میت کی ملک تھا اور یہ دونوں نصرانی اپنی قسم میں جھوٹے ہیں، چنانچہ جس قیمت پر انہوں نے فروخت کیا تھا۔ (ایک ہزار درہم) وہ وارثوں کو دلائی گئی۔

(۲۵۵) یعنی وارثوں کو شبہ پڑے تو قسم دینے کا حکم رکھا۔ اس لئے کہ قسم سے ڈر کر اوّل ہی جھوٹ نہ ظاہر کریں پھر اگر اُن کی بات جھوٹ نکلے تو وارث قسم کھائیں۔ یہ بھی اسی واسطے کہ وہ قسم میں دغا نہ کریں۔ جانیں کہ آخر ہماری قسم اُلٹی پڑیگی۔ کذافی موضح القرآن۔

(۲۵۶) خدا کی نافرمانی کرنیوالا انجام کار رسوا اور ذلیل ہی ہوتا ہے حقیقی کامیابی کا چہرہ نہیں دیکھتا۔

(۲۵۷) یہ سوال محشر میں اُمتوں کے روبرو پیغمبروں سے کیا جائیگا کہ دنیا میں جب تم ان کے پاس پیغام حق لے کر گئے تو انہوں نے کیا جواب دیا اور کہاں تک دعوت الٰہی کی اجابت کی؟ گذشتہ رکوع میں بتلایا تھا کہ خدا کے یہاں جانے سے پہلے بذریعہ وصیت وغیرہ یہاں کا انتظام ٹھیک کر لو۔ اب متنبہ فرماتے ہیں کہ وہاں کی جوابدہی کے لئے تیار رہو۔

(۲۵۸) **حشر میں انبیاء سے اللہ کا سوال** محشر کے ہولناک دن میں جب خدائے قہار کی شان جلالی کا انتہائی ظہور ہوگا، اکابر اعاظم کے بھی ہوش بجا نہ رہیں گے، اولوالعزم انبیاء کی زبان پر نفسی نفسی ہوگا۔ اُس وقت انتہائی خوف و خشیت سے حق تعالیٰ کے سوال کا جواب "لَا عِلْمَ لَنَا" (ہمیں کچھ خبر نہیں) کے سوا نہ دے سکیں گے۔ پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں سب کی طرف خدا کی نظر لطف و رحمت ہوگی تب کچھ عرض کرنے کی جرأت کرینگے۔ حسن و مجاہد وغیرہ سے ایسا ہی منقول ہے۔ لیکن ابن عباس کے نزدیک "لَا عِلْمَ لَنَا" کا مطلب یہ ہے کہ خداوندا! تیرے علم کامل و محیط کے سامنے ہمارا علم کچھ بھی نہیں۔ گویا یہ الفاظ "تادب مع اللہ" کے طور پر کہے۔ ابن جریج کے نزدیک لَا عِلْمَ لَنَا سے یہ مراد ہے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ ہمارے پیچھے انہوں نے کیا کچھ کیا۔ ہم صرف اُن ہی افعال و احوال پر مطلع ہو سکتے ہیں جو ہمارے سامنے ظاہری طور پر پیش آئے تھے۔ بواطن و سرائر کا علم علام الغیوب ہی کو ہے۔ آئندہ رکوع میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زبانی جو جواب نقل فرمایا ہے "وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا" الخ اس سے آخری معنی کی تائید ہوتی ہے۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ جب حوض پر بعض لوگوں کی نسبت حضور فرمائیں گے هٰؤُلَاءِ اصحابی تو جواب ملیگا لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ یعنی آپ کو خبر نہیں کہ آپ کے پیچھے انہوں نے کیا حرکات کیں۔

(۲۵۹) غالباً یہ پورا رکوع آنے والے رکوع کی تمہید ہے۔ احسانات یاد دلا کر وہ سوال ہوگا جو آیندہ رکوع میں مذکور ہے۔

(۲۶۰) **حضرت عیسیٰؑ سے حق تعالیٰ کا خطاب** اوّل تو اولاد پر احسان کرنا من وجہ ماں پر احسان ہے۔ دوسرے ظالم لوگ جو تہمت مریم صدیقہ پر لگاتے تھے حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُن کی براءت و نزاہت کے لئے برہان مُبین

بنا دیا اور تولد مسیح سے پہلے اور بعد عجیب و غریب نشانات حضرت مریم کو دکھلائے جو اُن کی تقویت و تسکین کا باعث ہوئے۔ یہ احسانات بلاواسطہ اُن پر تھے۔

(۲۶۱) **رُوح القدس کی تائید** گود میں جو کلام کیا اُس کا ذکر "سورۂ مریم" میں آئیگا۔ "انی عبد اللّٰہ اٰتانی الکتاب الیٰ آخرہ" تعجب ہے کہ عیسائیوں نے حضرت مسیح کے "تکلم فی المھد" کا کچھ ذکر نہیں کیا البتہ یہ لکھا ہے کہ بارہ برس کی عمر میں یہود کے سامنے انہوں نے ایسی حکیمانہ دلائل و براہین بیان فرمائیں کہ تمام علماء عاجز و مبہوت رہ گئے اور سامعین عش عش کرنے لگے۔ یوں تو "روح القدس" سے حسب مراتب سب انبیاء علیہم السلام بلکہ بعض مؤمنین کی بھی تائید ہوتی ہے۔ لیکن حضرت عیسٰی علیہ السلام کو جن کا وجود ہی "نفخہ جبرئیلیہ" سے ہوا، کوئی خاص قسم کی فطری مناسبت اور تائید حاصل ہے جیسے تفضیل انبیاء کے صدد میں بیان فرمایا گیا۔ تلک الرسل فضلنا بعضھم علٰی بعض منھم من کلم اللّٰہ ورفع بعضھم درجات واٰتینا عیسی بن مریم البینات وایدناہ بروح القدس (بقرہ رکوع ۳۳) "روح القدس" کی مثال "عالم ارواح" میں ایسی سمجھو جیسے عالم مادیات میں قوت کہربائیہ (بجلی) کا خزانہ، جس وقت اس خزانہ کا مدبر معین اصول کے موافق کرنٹ چھوڑتا اور جن اشیاء میں بجلی کا اثر پہنچاتا ہے۔ اُن کا کنکشن درست کر دیتا ہے تو فوراً خاموش اور ساکن مشینیں بڑے زور سے گھومنے لگتی ہیں اگر کسی مریض پر بجلی کا عمل کیا گیا تو مشلول اعضاء اور بے حس ہو جانے والے اعصاب میں بجلی کے پہنچنے سے حس و حرکت پیدا ہو جاتی ہے بعض اوقات ایسے بیمار کے حلقوم میں جس کی زبان بالکل بند ہو گئی ہو قوت کہربائیہ کے پہنچانے سے قوت گویائی واپس کی گئی ہے۔ حتٰی کہ بعض غالی ڈاکٹروں نے تو یہ دعوٰی کر دیا کہ ہر قسم کی بیماری کا علاج قوت کہربائیہ سے کیا جا سکتا ہے (دائرۃ المعارف فرید وجدی) جب اس معمولی مادی کہربائیہ کا حال یہ ہے تو اندازہ کر لو کہ "عالم ارواح" کی کہربائیہ میں جس کا خزانہ روح القدس ہے کیا کچھ طاقت ہو گی، حق تعالٰی نے حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی کا تعلق روح القدس سے کسی ایسی خاص نوعیت اور اصول کے ماتحت رکھا ہے جس کا اثر کھلے ہوئے غلبۂ روحیت، تجرد اور مخصوص آثار حیات کی شکل میں ظاہر ہوا۔ انکا "روح اللّٰہ" سے ملقب ہونا، بچپن، جوانی اور کہولت میں یکساں کلام کرنا، خدا کے حکم سے افاضہ حیات کے قابل کالبد خاکی تیار کر لینا، اُس میں باذن اللّٰہ روح حیات پھونکنا مایوس العلاج مریضوں کی حیات کو باذن اللّٰہ بدون توسط اسباب عادیہ کے کارآمد اور بے عیب بنا دینا، حتٰی کہ مردہ لاشہ میں باذن اللّٰہ دوبارہ روح حیات کو واپس لے آنا، بنی اسرائیل کے ناپاک منصوبوں کو خاک میں ملا کر آپ کا آسمان پر اُٹھا لیا جانا، اور آپ کی حیات طیبہ پر اس قدر طول عمر کا کوئی اثر نہ ہونا، وغیرہ وغیرہ یہ سب آثار اُسی تعلق خصوصی سے پیدا ہوئے ہیں جو رب العزت نے کسی مخصوص نوعیت و اصول سے آپ کے اور روح القدس کے مابین قائم فرمایا ہے ہر پیغمبر کے ساتھ کچھ امتیازی معاملات خدا تعالٰی کے ہوتے ہیں، اُن کے علل و اسرار کا احاطہ اُسی علام الغیوب کو ہے ان ہی امتیازات کو علماء کی اصطلاح میں "فضائل جزئیہ" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ایسی چیزوں سے کلی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ چہ جائیکہ "الوہیت" ثابت ہو۔ "واذ تخلق من الطین" میں خلق کا لفظ محض صوری اور حسی لحاظ سے استعمال کیا گیا ہے ورنہ خالق حقیقی "احسن الخالقین" کے سوا کوئی نہیں۔ اِسی لئے "باذنی" کا بار بار اعادہ کیا گیا اور "آل عمران" میں حضرت مسیحؑ کی زبان سے باذن اللّٰہ کی تکرار کرائی گئی۔ بہر حال جو خوارق ان آیات میں اور ان سے پہلے "آل عمران" میں حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب ہوئے ہیں، اُن کا انکار یا تحریف صرف اُسی ملحد کا کام ہو سکتا ہے جو "آیات اللّٰہ" کو اپنی عقل شخصی کے تابع کرنا چاہے۔ باقی جو لوگ قانون قدرت کا نام لے کر "معجزات و خوارق" کا انکار کرنا چاہتے ہیں، اُن کا جواب ہم نے ایک مستقل مضمون میں دیا ہے اُس کے مطالعہ سے

انشاء اللہ تمام شکوک و شبہات کا ازالہ ہو سکیگا۔

(۲۶۲) معجزات اور فوق العادت تصرفات کو جادو کہنے لگے اور انجام کار حضرت مسیحؑ کے قتل کے درپے ہوئے۔ حق تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھا لیا۔ اس طرح یہود کو اُن کے ناپاک مقصد میں کامیاب ہونے سے روک دیا گیا۔

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ﴿١١١﴾

اور جب میں نے دل میں ڈال دیا حواریوں کے کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر تو کہنے لگے ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں

الربع

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١١٢﴾

جب کہا حواریوں نے اے عیسٰی مریم کے بیٹے تیرا رب کر سکتا ہے ف۲۶۳ کہ اُتارے ہم پر خوان بھرا ہوا آسمان سے ف۲۶۴ بولا ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے ف۲۶۵

قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿١١٣﴾

بولے کہ ہم چاہتے ہیں کہ کھاویں اُس میں سے اور مطمئن ہو جاویں ہمارے دل اور جان لیں کہ تو نے ہم سے سچ کہا اور رہیں ہم اُس پر گواہ ف۲۶۶

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ ۖ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿١١٤﴾

کہا عیسٰی مریم کے بیٹے نے اے اللہ رب ہمارے اُتار ہم پر خوان بھرا ہوا آسمان سے کہ وہ دن عید رہے ہماری پہلوں اور پچھلوں کے واسطے ف۲۶۷ اور نشانی ہو تیری طرف سے ف۲۶۸ اور روزی دے ہم کو اور تو ہی ہے سب سے بہتر روزی دینے والا ف۲۶۹

قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۖ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١١٥﴾

کہا اللہ نے میں بیشک اُتاروں گا وہ خوان تم پر پھر جو کوئی تم میں ناشکری کریگا اس کے بعد تو میں اُس کو وہ عذاب دونگا جو کسی کو نہ دونگا جہان میں ف۲۷۰

ع ۱۵

(۲۶۳) "کر سکتا ہے" اس لئے کہا کہ آپ کی رعایت اور دعا سے ہمارے لئے بطور "خرق عادت" نہ معلوم ایسا کرے یا نہ کرے۔

(۲۶۴) یعنی آسمان کی طرف سے بے محنت روزی پہنچ جایا کرے۔ یہ ضرور نہیں کہ وہ خوان جنت ہی کا ہو۔

(۲۶۵) یعنی ایماندار بندہ کو لائق نہیں کہ ایسی غیر معمولی فرمائشیں کر کے خدا کو آزمائے خواہ اُس کی طرف سے کتنی ہی مہربانی کا اظہار ہو، روزی اُن ہی ذرائع سے طلب کرنا چاہئے جو قدرت نے اُس کی تحصیل کے لئے مقرر فرما دیے ہیں۔ بندہ جب خدا سے ڈر کر تقویٰ اختیار کرے اور اسی پر ایمان و اعتماد رکھے تو حق تعالیٰ ایسی جگہ سے اُس کو رزق پہنچائیگا جہاں سے وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب الخ (طلاق۔ رکوع ۱)

(۲۶۶) **حضرت عیسٰی سے مائدہ کا مطالبہ** یعنی آزمانے کو نہیں مانگتے، بلکہ برکت کی اُمید پر مانگتے ہیں کہ غیب سے بے محنت روزی ملتی رہے تا اطمینان قلب اور دلجمعی سے عبادت میں لگے رہیں۔ اور آپ نے جو غیبی خبریں نعمائے جنت وغیرہ کے متعلق دی ہیں، ایک چھوٹا سا نمونہ دیکھ کر اُن کا بھی یقین کامل ہو جائے۔ اور ایک عینی شاہد کے طور پر ہم اُس کی گواہی دیں جس سے

یہ معجزہ ہمیشہ مشہور رہے۔ بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے وعدہ فرمایا تھا کہ تم خدا کے لئے تیس دن کے روزے رکھ کر جو کچھ طلب کرو گے وہ دیا جائے گا۔ حواریین نے روزے رکھ لئے اور مائدہ طلب کیا، ونعلم ان قد صدقتنا سے یہ ہی مراد ہے واللہ اعلم۔

(۲۶۷) **نزول مائدہ کی دعاء** یعنی وہ دن جس میں مائدہ آسمانی نازل ہو، ہمارے اگلے پچھلے لوگوں کے حق میں عید ہو جائے کہ ہمیشہ ہماری قوم اس دن کو بطور یادگار تہوار منایا کرے۔ اس تقریر کے موافق تکون لنا عیدًا کا اطلاق ایسا ہوا جیسا کہ آیۂ الیوم اکملت لکم دینکم کے متعلق بخاری میں یہود کا یہ مقولہ نقل کیا ہے انکم تقرؤن اٰیۃ لو نزلت فینا لاتخذناھا عیدًا جس طرح آیۃ کو عید بنانے کا مطلب اس کے یوم نزول کو عید بنانا ہے (کما ہو مصرح فی الروایات الاخر) اسی پر مائدہ کے عید ہونے کو بھی قیاس کر لو کہتے ہیں کہ وہ خوان اُترا اتوار کو جو نصاریٰ کے یہاں ہفتہ کی عید ہے جیسے مسلمانوں کے یہاں جمعہ

(۲۶۸) یعنی تیری قدرت کی اور میری نبوت و صداقت کی نشانی ہو۔

(۲۶۹) یعنی بدون تعب و کسب کے روزی عطا فرمائیے۔ آپ کے یہاں کیا کمی ہے اور کیا مشکل ہے۔

(۲۷۰) **ناشکروں کے لئے عذاب کی دھمکی** جب نعمت غیر معمولی اور نرالی ہو گی تو اس کی شکر گذاری کی تاکید بھی معمول سے بہت بڑھکر ہونی چاہئے۔ اور ناشکری پر عذاب بھی غیر معمولی اور نرالا آئیگا۔ موضح القرآن میں ہے "بعضے کہتے ہیں وہ خوان اُترا چالیس روز تک پھر بعضوں نے ناشکری کی۔ یعنی حکم ہوا تھا کہ فقیر اور مریض کھاویں۔ محظوظ اور چنگے بھی لگے کھانے۔ پھر قریب اسّی آدمی کے سور اور بندر ہو گئے۔ یہ عذاب پہلے یہود میں ہوا تھا۔ پیچھے کسی کو نہیں ہوا۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ نہیں اُترا۔ یہ تہدید سن کر مانگنے والے ڈر گئے، نہ مانگا، لیکن پیغمبر کی دعاء عبث نہیں اور اس کلام میں نقل کرنا بے حکمت نہیں۔ شاید اس دعاء کا اثر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی اُمت میں آسودگی مال ہمیشہ رہی جو کوئی ان میں ناشکری کرے۔ یعنی دل کے اطمینان سے عبادت میں نہ لگے بلکہ گناہ میں خرچ کرے تو شاید آخرت میں سب سے زیادہ عذاب پاوے۔ اس میں مسلمان کو عبرت ہے کہ اپنا مدعا "خرق عادت" کی راہ سے نہ چاہے کہ پھر اس کی شکر گذاری بہت مشکل ہے۔ اسباب ظاہری پر قناعت کرے تو بہتر ہے۔ اس قصہ میں بھی ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ کے آگے حمایت پیش نہیں جاتی۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ

اور جب کہیگا اللہ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے تو نے کہا لوگوں کو کہ ٹھہرا لو مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود سوا اللہ کے [۲۷۱] کہا

سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ

تو پاک ہے مجھ کو لائق نہیں کہ کہوں ایسی بات جس کا مجھ کو حق نہیں اگر میں نے یہ کہا ہو گا تو تجھ کو ضرور معلوم ہو گا تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے

وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے بیشک تو ہی ہے جاننے والا چھپی باتوں کا [۲۷۲] میں نے کچھ نہیں کہا انکو مگر جو تو نے حکم کیا کہ بندگی کرو اللہ کی

رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ

جو رب ہے میرا اور تمہارا [۲۷۳] اور میں اُن سے خبردار تھا جب تک اُن میں رہا پھر جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا تو تو ہی تھا خبر رکھنے والا اُن کی

وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۱۸﴾

اور تو ہر چیز سے خبردار ہے ف ۲۷۴ اگر تو انکو عذاب دے تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو اُن کو معاف کر دے تو تو ہی ہے زبردست حکمت والا ف ۲۷۵

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ

فرمایا اللہ نے یہ دن ہے کہ کام آویگا سچوں کے اُن کا سچ ف ۲۷۶ اُنکو ملتے ہیں باغ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں گے اُنہی میں

اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْهِنَّ ؕ

ہمیشہ اللہ راضی ہوا اُن سے اور وہ راضی ہوئے اُس سے یہی ہے بڑی کامیابی ف ۲۷۷ اللہ ہی کے لئے سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ انکے بیچ میں ہے

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۲۰﴾

اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ف ۲۷۸

(۲۷۱) **حق تعالیٰ کا حضرت عیسیٰؑ سے سوال** پچھلا رکوع حقیقت میں اس رکوع کی تمہید تھی۔ پچھلے رکوع کی ابتدا میں یوم یجمع اللہ الرسل الخ فرما کر آگاہ کیا تھا کہ قیامت کے دن تمام مرسلین سے اُن کی اُمتوں کے مواجہ میں علیٰ رؤس الاشہاد سوال و جواب ہونگے۔ پھر ان میں سے خاص حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر فرمایا جن کو کروڑوں آدمیوں نے خدائی کا درجہ دے رکھا ہے کہ اُن سے بالخصوص اس عقیدہ باطلہ کی نسبت دریافت کیا جائیگا لیکن اول وہ عظیم الشان احسانات اور ممتاز انعامات یاد دلائیں گے جو اُن پر اور اُن کی والدہ ماجدہ پر فائض ہوئے۔ بعدہٗ ارشاد ہوگا، ءانت قلت للناس اتخذونی الخ (کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی خدا کے سوا معبود مانو) حضرت مسیح علیہ السلام اس سوال پر کانپ اُٹھیں گے اور وہ عرض کریں گے جو آگے آتا ہے۔ آخر میں ارشاد ہوگا هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ "ہذا" کا اشارہ اُسی یوم کی طرف ہے جو یوم یجمع اللہ الرسل میں مذکور تھا۔ بہرحال یہ سب واقعہ روز قیامت کا ہے۔ جسے متیقن الوقوع ہونے کی وجہ سے قرآن و حدیث میں بصیغہ ماضی (قال) تعبیر فرمایا ہے۔

(۲۷۲) **حضرت عیسیٰ کا جواب** یعنی میں ایسی گندی بات کیسے کہہ سکتا تھا۔ آپ کی ذات اس سے پاک ہے کہ الوہیت وغیرہ میں کسی کو اُس کا شریک کیا جائے۔ اور جس کو آپ پیغمبری کا منصب جلیل عطا فرمائیں، اُس کی یہ شان نہیں کہ کوئی ناحق بات مُنہ سے نکالے۔ پس آپ کی سبُوحیت اور میری عصمت دونوں کا اقتضاء یہ ہے کہ میں ایسی ناپاک بات کبھی نہیں کہہ سکتا۔ اور سب دلائل کو چھوڑ کر آخری بات یہ ہے کہ آپ کے "علم محیط" سے کوئی چیز باہر نہیں ہو سکتی۔ اگر فی الواقع میں ایسا کہتا تو آپ کے علم میں ضرور موجود ہوتا۔ آپ خود جانتے ہیں کہ میں نے خفیہ یا علانیہ کوئی ایسا حرف منہ سے نہیں نکالا۔ بلکہ میرے دل میں اس طرح کے گندے خیال کا خطور بھی نہیں ہوا۔ آپ سے میرے یا کسی کے دل کے چھپے ہوئے ہواجس و خواطر بھی پوشیدہ نہیں۔

(۲۷۳) میں نے آپ کے حکم سے سرمو تجاوز نہیں کیا۔ اپنی الوہیت کی تعلیم تو کیسے دے سکتا تھا۔ اُس کے بالمقابل میں نے اُن کو صرف تیری بندگی کی طرف بلایا اور کھول کھول کر بتلا دیا کہ میرا اور تمہارا سب کا رب (پروردگار) وہ ہی ایک خدا ہے جو تنہا عبادت کے لائق ہے۔ چنانچہ آج بھی بائیبل میں صریح نصوص اس مضمون کی بکثرت موجود ہیں۔

(۲۷۴) نہ صرف یہ کہ میں نے مخلوق کو تیری توحید اور عبودیت کی طرف دعوت دی، بلکہ جب تک اُن کے اندر قیام پذیر رہا، برابر اُن کے احوال کی نگرانی اور خبرگیری کرتا رہا کہ کوئی غلط عقیدہ یا بے موقع خیال قائم نہ کر لیں البتہ ان میں قیام کرنے کی جو مدت آپ کے

علم میں مقدر تھی، جب وہ پوری کر کے آپ نے مجھ کو اُن میں سے اٹھالیا (کما یظہر من مادۃ التوفی ومقابلۃ مادمت فیہم) تو پھر صرف آپ ہی اُن کے احوال کے نگراں اور خبردار ہو سکتے تھے، میں اس کے متعلق کچھ عرض نہیں کر سکتا (تنبیہ) حضرت مسیح علیہ السلام کی موت یا رفع الی السماء وغیرہ کی بحث "آل عمران" میں زیر فائدہ "انی متوفیك ورافعك الیّ" ملاحظہ کیجئے۔ مترجم محقق قدس سرّہٗ نے یہاں "فلما توفیتنی" کا جو ترجمہ "تو نے مجھ کو اٹھالیا" سے کیا یہ باعتبار محاورات "موت" اور "رفع الی السماء" دونوں پر صادق آسکتا ہے۔ گویا متنبہ کر دیا کہ نہ لفظ "توفی" کے لئے موت لازم ہے اور نہ خاص توفی بصورت موت کو مضمون زیر بحث میں کسی قسم کا مدخل ہے حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض لوگوں کی نسبت میں قیامت کے دن اُسی طرح کہوں گا جس طرح بندہ صالح (عیسٰی علیہ السلام) نے کہا وکنت علیہم شہیداً مادمت فیہم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم اس قسم کی تشبیہات سے یہ نکالنا کہ حضور کی اور حضرت مسیح کی "توفی" بھی بہر وجوہ یکساں اور ہمرنگ ہونی چاہیئے، عربیت سے ناواقفیت کی دلیل ہے مشرکین مکہ ایک درخت (ذات انماط) پر ہتھیار لٹکایا کرتے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہمارے لئے بھی "ذات انماط" مقرر کر دیجئے جیسے ان کے یہاں ہے۔ آپ نے فرمایا "ھذا کما قال قوم موسٰی اجعل لنا الٰھاً کما لھم اٰلھۃ (یہ تو ایسا ہوا جیسے موسٰی کی قوم نے درخواست کی تھی کہ ہمارے لئے بھی ایسا معبود تجویز کر دو جیسا ان بت پرستوں کا ہے) کیا کوئی مسلمان اس تشبیہ کو سُن کر یہ گمان کر سکتا ہے کہ صحابہ نے معاذ اللہ بت پرستی کی درخواست کی تھی؟ اس طرح کی تشبیہات سے نصوص محکمہ اور اجماع اُمت کے مخالف عقائد پر تمسک کرنا صرف اُسی جماعت کا حصہ ہو سکتا ہے جن کی نسبت یہ ارشاد ہوا فاما الذین فی قلوبہم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ۔

(۲۷۵) **ایک مفید نکتہ** یعنی آپ اپنے بندوں پر ظلم اور بیجا سختی نہیں کر سکتے اس لئے اگر اُن کو سزا دیں گے تو عین عدل وحکمت پر مبنی ہوگی اور فرض کیجئے معاف کر دیں تو یہ معافی بھی ازراہ عجز وسفہ نہ ہوگی۔ چونکہ آپ "عزیز" (زبردست اور غالب) ہیں، اس لئے کوئی مجرم آپکے قبضہ قدرت سے نکل کر بھاگ نہیں سکتا کہ آپ اُس پر قابو نہ پاسکیں۔ اور چونکہ "حکیم" (حکمت والے) ہیں اس لئے یہ بھی ممکن نہیں کہ کسی مجرم کو یوں ہی بے موقع چھوڑ دیں۔ بہرحال جو فیصلہ آپ ان مجرمین کے حق میں کرینگے وہ بالکل حکیمانہ اور قادرانہ ہوگا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ کلام چونکہ محشر میں ہوگا جہاں کفار کے حق میں کوئی شفاعت اور استدعاء رحم وغیرہ نہیں ہو سکتی، اسی لئے حضرت مسیح نے عزیز حکیم کی جگہ غفور رحیم وغیرہ صفات کو اختیار نہیں فرمایا۔ برخلاف اس کے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا میں اپنے پروردگار سے عرض کیا تھا۔ رب انھن اضللن کثیرًا من الناس فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانك غفور رحیم (اے پروردگار ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو گمراہ کر دیا تو جو ان میں سے میرے تابع ہوا وہ میرا آدمی ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو پھر تو غفور رحیم ہے) یعنی ابھی موقع ہے کہ تو اپنی رحمت سے آیندہ اُنکو توبہ اور رجوع الی الحق کی توفیق دے کر پچھلے گناہوں کو معاف فرمادے۔

(۲۷۶) جو لوگ اعتقاداً اور قولاً وعملاً سچے رہے ہیں (جیسے حضرت مسیح علیہ السلام) اُن کی سچائی کا پھل آج ملیگا۔

(۲۷۷) بڑی کامیابی حق تعالیٰ کی رضاء ہے اور جنت بھی اِسی لئے مطلوب ہے کہ وہ محل رضائے الٰہی ہے۔

(۲۷۸) یعنی ہر وفادار اور مجرم کے ساتھ وہ ہی معاملہ ہوگا۔ جو ایک شہنشاہ مطلق کی عظمت وجلال کے مناسب ہے۔